اب میرے ہو کے رہو
تحریر :فرشتے چودھری

"ماماوہ دیکھیں۔ماما!وہ مجھے مار دیں گے ،ماما!پلیز مجھے بچالیں۔پلیز!وہ قریب آرہے ہیں،

ماما!"

نیند میں بڑبڑاتی،عائشہ ایک زوردار چیخ مار کر اٹھ بیٹھی تھی۔

پسینے سے شرابور وجود گہرے گہرے سانس لینے لگا تھا۔

مسلسل کچھ دنوں سے اس کے ساتھ ایسا ہو رہا تھا۔اچانک وہ نیند سے اٹھ کر چلانے لگتی تھی۔بھیانک خوابوں کا ایسا تسلسل بنا تھا کہ گویا پرسکون نیند اسکے لیے خواب وخیال ہو کر رہ گئی تھی۔وہ خود بھی اپنی حالت سمجھنے سے قاصر تھی۔

اسکے پاس تو کوئی ایسا بھی نہیں تھا جس سے وہ درد بانٹ پاتی۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے نہ کہ ہم بھری دنیا میں تنہا رہ جاتے ہیں۔انسانوں کے درمیان موجود ہوتے ہوئے بھی تنہا ہوتے ہیں۔دنیا سے کوئی رشتہ ہی نہیں رہتا۔پتا ہے ایسا کب

ہوتا ہے جب! جب کوئی بہت اپنا ساتھ چھوڑ جائے دنیا کی بھیڑ میں کھو جائے یا وقت کی نظر ہو جائے۔ اس سے بڑھ کر بھی کوئی اذیت ہو گی کہ آپ کا سب کچھ چھن جائے اور آپ بے بسی سے دیکھتے رہ جائیں۔

اسے جو ڈراؤنے خواب آتے تھے۔ وہ سب تو وہ برداشت کر چکی تھی۔ وہ اذیت وہ درد تو اس کے انگ انگ میں سرائیت کر گیا تھا۔

خوابوں میں تو بس وہ نظر آتا تھا' جو بیت چکا تھا پھر بھی جانے کیوں گئے دنوں کی چنگاریاں اب تک اسے سلگائے ہوئے تھیں۔ اتنا تو تب بھی نہیں ڈرتی تھی جب یہ سہنا پڑھتا تھا۔

وہ عائشہ عظیم تھی۔ وہ خواب نگر کی شہزادی تھی۔

*****

عائشہ عظیم! خواب نگر کی شہزادی دنیا کو جوتے کی نوک پر رکھنے والی تھی وہ، اور پھر جب دنیا نے اس کو جوتے کی نوک پر رکھا تو پتھروں کے بھی آنسو نکل آئے۔

وہ جو کہتی تھی دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں بس حوصلے جوان ہونے چاہئیں۔ اس کی یہی بات آج اس کا منہ چڑاتی نظر آتی تھی۔

وہ جو کبھی زندگی کی رعنائیوں سے بھرپور تھی جسے دیکھ کر زندگی جینے کو جی چاہتا تھا، وہ آکاس بیل کی طرح مرجھا گئی تھی۔ زندگی نے اس سے اپنے ہونے کا بھرپور خراج وصولا تھا۔

عائشہ ماں باپ کی لاڈلی تھی تو چھوٹی ہونے کی وجہ سے بہن بھائیوں کی آنکھوں کا بھی تارا تھی۔ اس سے بڑے دو بھائی اور دو بہنیں تھیں۔ وہ سب عائشہ پہ جان چھڑکتے تھے۔ شروع سے ہی لاڈلی رہی تھی اسی لاڈ پیار کا نتیجہ تھا کہ وہ لا ابالی فطرت کی مالک تھی بڑی سے بڑی بات چٹکیوں میں اڑا دیتی اور چھوٹی سے چھوٹی بات پہ پریشان ہو جاتی۔ نصرت بیگم (عائشہ کی والدہ) تو اس کے شرارتی پن اور لا ابالی فطرت کے باعث ہولتی ہی رہتی تھیں جبکہ باقی سب اس کی حرکتوں پر خوب لطف اندوز ہوتے۔ عائشہ کے برعکس باقی چاروں بہن بھائی کافی سنجیدہ مزاج کے تھے۔ اس لئے بھی شاید نصرت بیگم کو اس کا لا ابالی پن زیادہ ہی کھٹکتا تھا۔ ان کا خیال تھا لڑکیوں کو سنجیدہ مزاج کا اور سمجھدار ہونا چاہیئے۔

عائشہ کو ان سے ہمیشہ اسی بات پر ان سے اختلاف رہتا تھا۔ اس کا ماننا تھا زندگی کو رنگوں سے مزین ہونا چاہیئے۔ زندگی کو جی بھر کے جینا چاہیئے کہ دل میں کوئی حسرت کوئی آرزو نہ رہے پر کہتے ہیں ناوقت بڑا بے رحم ہوتا ہے۔ کبھی کبھی وہاں لا کر مارتا ہے کہ اف بھی

نہ کر سکیں۔ وہ جو زندگی کو جینا چاہتی تھی۔ جس کی آنکھوں میں زندگی مسکراتی تھی۔ جس کو دیکھ کر جینے کو جی چاہتا تھا وہ ایک دم خاموش ہوگئی تھی۔ ڈرنے لگی تھی۔ وہ جس کا مذہب جس کا اوڑھنا بچھونا محبت تھی وہ محبت کے نام سے ڈرنے لگی تھی۔ اسے زندگی نام سے خوف آنے لگا تھا۔ اس کی آنکھیں جہاں جانے کتنے خواب سجے تھے۔

وہ اب ویران تھیں ان آنکھوں میں دکھ ہلکورے لیتا تھا۔ جانے کیوں وہ قطرہ قطرہ پگلتی جارہی تھی۔ نصرت بیگم جو ہر وقت اس سے نالاں رہتی تھیں۔ اس کی آواز سننے کو ترس گئی تھیں پر وہ تھی کہ کچھ بولتی ہی نہیں تھی۔ بولتی بھی تو آخر کیا بولنے کے لیے کچھ بچا ہی نہیں تھا۔ وہ قدرت کے آگے بے بس ہوگئی تھی۔ وہ جو کہتی تھی محبت خوشی کا دوسرا نام ہے۔

آج اپنے ہی لفظ اسے آنکھوں کے سامنے ناچتے نظر آتے تھے۔ وہ جسے خوشی کہتی تھی وہی اس کی زندگی کا سب سے بڑا روگ بن گئی تھی۔ محبت نے اس کے اندر اذیت بھر دی تھی۔ یادوں کے ناگ اسے ڈستے تھے۔

وہ حد سے زیادہ چڑچڑی ہو چکی تھی وہ پہلے ایسی نہیں تھی پر جب سے محبت نام کی قیامت سے گزری تھی وہ ایسی ہوگئی تھی۔

اس نے کہیں پڑھا تھا محبت بوجھ نہیں ہوتی پر کندھے جھکا دیتی ہے۔ یہ پڑھ کر وہ پہروں ہنسی تھی اس کے نزدیک محبت الہامی چیز تھی اور وہ سوچتی تھی بھلا الہامی چیز کیسے کندھے جھکا سکتی ہے؟

یہ سوچتے ہوئے وہ بھول گئی تھی کہ محبت صرف شرعی رشتوں میں جائز ہے۔ نامحرم کی محبت اذیت دکھ رسوائی بدنامی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتی۔

اس نے بھی تو نامحرم سے محبت کی تھی تو کیسے سکھی رہتی۔ جب اللہ نے کہا ہے کہ خوشی اور برکت صرف محرم رشتوں میں ہے تو پھر نامحرم محبت پر بے چینی کیونکر اس کا مقدر نہ بنتی۔ محبت کے بوجھ نے صرف کندھے ہی نہیں جھکائے تھے بلکہ اس کی روح کو بھی ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیا تھا۔ خدا شرک کرنے والوں کو معاف نہیں کرتا اس نے بھی تو ایک طرح سے شرک کیا تھا۔ رب سے زیادہ اس کے بندے کو چاہا تھا تو اللہ کیسے نہ اسے احساس دلاتا۔

کہتے ہیں جو دین پیچھے چھوڑ کر دنیا کی طرف بھاگتا ہے اسے دنیا بھی چھوڑ دیتی ہے۔

اک انسان تھا حمزہ، وہ حمزہ جسے دیکھ کے 'وہ سب بھول بیٹھی تھی۔

عائشہ حمزہ کو دیکھ کر خود کو بھولنے لگی تھی۔ اس کی نمازیں قضا ہونے لگی تھیں۔ وہ خالق کی بنائی ہوئی مخلوق کے سحر میں ایسا گرفتار ہوئی تھی کہ خالق کو بھولنے لگی تھی۔ یہ صرف

ایک غیر ارادی نظر کا کمال تھا۔بات یہ نہیں تھی کہ اس نے آج سے پہلے خوبصورت مرد نہیں دیکھا تھایا حمزہ بہت خوبصورت تھا۔بس کچھ ایسا تھا کہ وہ اس کے سحر سے نکل ہی نہیں پارہی تھی۔

*****

وہ دن آج بھی عائشہ کی دل و دماغ کے نہاں خانوں میں نقش تھاجب اس نے پہلی بار حمزہ کو دیکھا تھا۔

ایک لمحے کی بے اختیاری پوری زندگی پہ بھاری پڑی تھی۔

کہنے والے ٹھیک ہی کہتے ہیں آنکھوں کے رستے ہی محبت دل میں اتر سکتی ہے۔

بات ایک لمحے کی تھی

نگاہ پل بھر کی تھی

پر !

بے بسی عمر بھر کی تھی

****

حمزہ سلیمان نصرت بیگم کی سہیلی (نازیہ) کا بیٹا تھا۔ جو برسوں پہلے دیار غیر جا بسی تھیں۔ اب اچانک وطن واپس لوٹی تو سہیلی کی یاد نے ایسا ستایا کہ وہ بچوں کے ہمراہ ان سے ملنے آن پہنچی تھیں۔

نصرت بیگم ان کو اچانک سامنے دیکھ کر خوشی سے گنگ رہ گئیں۔ کافی دیر دونوں ایک دوسرے کے گلے لگی گزرے وقت کی تشنگی مٹاتی رہیں۔ دوستی بھی بڑا انمول رشتہ ہوتا ہے۔

کوئی خونی رشتہ نہ ہوتے ہوئے بھی دل کے قریب رہتا ہے۔ گزرے وقت نے دونوں پہ گہرا اثر چھوڑا تھا۔ جہاں دونوں جوانی کی دہلیز پار کر کے بڑھاپے میں قدم رکھ چکی تھیں۔ وہیں ان کی اولادیں بھی جوان ہو چکی تھیں۔

نازیہ بیگم کے چار بچے تھے سب سے بڑا بیٹا حمزہ اس سے چھوٹی بیٹی لاریب پھر بیٹا حنان اور آخر میں بیٹی لائبہ تھی۔ نازیہ بیگم بچوں کی شادی کے سلسلے میں ہی وطن واپس لوٹی تھیں۔

جبکہ نصرت بیگم بڑی دونوں بیٹیوں سارا سویرا اور بیٹے فاران کا فرض ادا کر چکی تھیں اب عائشہ اور محب رہتے تھے۔

محب ڈاکٹر بن رہا تھا اور عائشہ بی ایس کیمسٹری کر رہی تھی جبکہ نازیہ بیگم کا بڑا بیٹا حمزہ ایل ۔ایل۔بی کر کے فارغ ہوا تھا اور بیٹی فارمیسی کر رہی تھی اس سے چھوٹا

حنان بی۔بی۔اے کر رہا تھا۔لائبہ اے لیول میں تھی۔نازیہ بیگم جلد از جلد عائشہ سے ملنا چاہتی تھی ان کے لاشعور میں کہیں یہ بات تھی کہ کیوں نہ نصرت بیگم سے دوستی کو رشتہ داری میں بدل دیا جائے لیکن یہ بات زبان پر لانے سے پہلے وہ ایک دفعہ عائشہ کو دیکھنا چاہتی تھیں تا کہ دیکھ سکیں نصرت بیگم نے کیسی تربیت کی ہے خوبصورتی پہ تو انھیں یقین تھا کیونکہ انھوں نے بچپن میں عائشہ کو دیکھ رکھا تھا۔

پیاری سی عائشہ آج بھی انہیں یاد تھی لیکن وہ بھول بیٹھی تھیں کہ وہ بچپن تھا۔وقت کے ساتھ بہت کچھ بدل جاتا ہے۔نصرت بیگم اور عائشہ ہی اس وقت گھر پر تھیں انھوں نے بچوں اور نازیہ بیگم کو مہمان خانے میں بٹھایا اور خود عائشہ کو چائے وغیرہ کا بولنے چلی گئیں۔

مہمانوں کی آمد کا سن کر اس کا موڈ خراب ہو گیا۔وہ مہمانوں کی آمد سے ہمیشہ پریشان ہو جاتی تھی کیونکہ جب بھی کوئی آتا تو یہ ممکن ہی نہیں تھا اس کو دیکھے اور اس کی ذات کو

موضوع گفتگو نہ بنائے۔ لوگوں کے رویوں نے اسے قبل از وقت ہی بڑا کر دیا تھا۔ اس کی سوچ اس کے انداز اپنی عمر کی لڑکیوں جیسے نہیں تھے۔ ساری زندگی دوسروں کی نظر میں اپنا مقام بنانے کے لیے کچھ الگ کرنے کی کوشش میں بہت کچھ سیکھ چکی تھی بہت کچھ الگ کر چکی تھی۔ دو چار مہمانوں کی تواضع اس کے لیے بڑی بات نہیں تھی لیکن وہ موضوع گفتگو بننے سے ڈرتی تھی۔

"امی! میں تیاری کر لیتی ہوں پھر آپ اکر لے جایئے گا۔ میں مہمانوں سے ملنے نہیں جاؤں گی۔" اس نے ہمیشہ کی طرح انکار کیا تھا۔

اس کی بات سن کر نصرت بیگم کو حسب معمول غصہ آیا تھا۔ عائشہ بالکل بھی سوشل نہیں تھی۔

" بیٹا! آپ کی آنٹی اتنے سالوں بعد آئی ہیں۔ یہ غلط بات ہے کہ آپ نہ ملیں وہ آپ سے ملنا چاہ رہی ہیں۔ ٹرالی لے کے تم ہی آرہی ہو۔" انکا انداز دوٹوک تھا۔

عائشہ بے بسی سے انھیں دیکھ کر رہ گئی۔ جانتی تھی اب اس کی ایک نہیں چلنے والی۔

نصرت بیگم جوس لے کر اس کو ہدایات دیتی چلی گئیں۔

وہ بھی سوچوں کو جھٹکتے ہوئی کام میں لگ گئی تھی۔

* * * *

جلدی سے فریج سے کباب اور نگٹس نکال کر فرائی کیئے۔ فروٹ کیک بسکٹ نمکو اور ٹرالی پر سجا کر رکھے تھے۔

اور خود ہاتھ مسلتے ہوئے کچھ سوچنے لگی تھی۔ یہاں تک تو سب آسان تھا لیکن! لیکن آگے کا مرحلہ بے حد مشکل تھا۔

عائشہ کیلیئے یہ جان کنی کے برابر تھا۔

آج اسے یہ لمحہ مشکل لگ رہا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ آگے اسکی پوری زندگی ہی مشکل ہونے لگی تھی۔

****

کمرے میں داخل ہو کر گلا کھنکارتے ہوئے اس نے سب کو سلام کیا تھا۔ نازیہ بیگم نے اشتیاق بھری نگاہوں سے دروازے کی سمت دیکھا تھا جو ٹرالی لئے اندر آرہی تھی۔

عائشہ کو دیکھ کر تھوڑی دیر کے لئے تو خاموش رہ گئیں پھر جلدی سے خود کو سنبھالتے ہوئے عائشہ کو گلے لگایا اور حال چال پوچھنے لگیں۔ عائشہ ان کی کیفیت بھانپ چکی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ دنیا صرف خوبصورت لوگوں کے لئے ہوتی ہے۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ وہ دنیا کے بنائے گئے خود ساختہ معیار پر پورا نہیں اترتی۔ اور آگاہی کا عذاب اس کی روح تک کو چھلنی کر دیتا تھا وہ عام لڑکیوں کی طرح خواب نہیں دیکھتی تھی خواہشیں نہیں پالتی

تھی۔اس کے خوابوں میں کوئی راجکمار نہیں آتا تھا۔لیکن کہتے ہیں نہ ہونی کو کون روک پایا ہے۔

حسن کے خودساختہ پیمانے سب کے لئے ایک جیسے نہیں ہوتے ہیں۔

وہ نہیں جانتی تھی سامنے اٹھنے والی ایک غیر ارادی نگاہ اس کی زندگی کی مشکلات میں اضافہ کر دے گی۔وہ خواب نہیں دیکھنا چاہتی تھی پر اس کی آنکھوں میں خواب سجنے والے تھے۔

اور خوابوں کے قافلے آنکھوں میں اترتے کس کو برے لگتے ہیں؟

*****

وہ کچھ دیر مہمانوں کے پاس سر جھکا کر بیٹھی رہی تھی۔

دفعتاً اسے کسی کی نگاہوں کی تپش کا احساس ہوا تھا۔ایسے جیسے کوئی بہت غور سے دیکھ رہا ہو۔اس نے دھیرے سے سر اٹھایا تھا۔

سامنے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو حمزہ کی نگاہیں اس پر جمی تھی لیکن جیسے ہی عائشہ نے دیکھا تو اس نے نگاہیں پھیر لیں اور ہاتھ میں تھامے کپ کے کنارے پہ انگلی پھیرنے لگا تھا۔

اسکی خوابیدہ آنکھیں اس وقت عائشہ کی جانب متوجہ نہیں تھیں۔وہ اس وقت سوچ نگر کی سلطنت کا راجکمار معلوم ہوتا تھا۔

عائشہ اسے یونہی دیکھے گئی۔امی اکثر حمزہ کی تعریف کرتی تھیں۔

عائشہ کو آج اندازہ ہوا،وہ تعریفیں غلط نہیں تھیں۔

گھنے چمکتے بال سلیقے سے جمے ہوئے تھے۔بلیک پینٹ اور وائٹ شرٹ میں ملبوس وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' دائیں ہاتھ میں چائے کا کپ تھامے،بایاں ہاتھ پیشانی پہ مٹھی کی صورت ٹکائے ہوئے تھے۔

وہ کسی ریاست کا راجکمار نہیں تھا لیکن عائشہ کو وہ کسی سلطنت کا شہزادہ ہی معلوم ہوا تھا۔

اسکے وجیہہ چہرے پہ زیر کرنے کے دو سامان ہی اس قدر زور آور تھے کہ عائشہ کا دل۔۔۔اسکا دل،اتنی آسانی سے زیر ہو جائے گا۔وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

وہ آنکھیں' اس قدر جاندار آنکھیں تھیں۔زندگی سے بھرپور!چمکتی،ساحرانہ نگاہیں اور عائشہ کے لئے گویا وقت تھم گیا تھا۔

اس نے ایک بوجھل سانس ہوا کے سپرد کی تھی۔

بھلا کسی چہرے پر داڑھی اس قدر بھی سج سکتی ہے؟

نفاست سے تراشیدہ چمکتی مطابق سنت اس چہرے پہ سجی داڑھی کا حسن اس چہرے کی جاذبیت کو بڑھا رہا تھا۔

کچھ دیر کے لئے تو وہ نگاہیں ہٹا ہی نہ پائی پر جیسے ہی اپنی بے ساختگی کا احساس ہوا تو شرمندہ سی اٹھ کر بہانہ کرتی باہر چلی گئی تھی۔

باہر آکے وہ بے دم سی لان میں چلی آئی تھی جہاں پھول جھوم رہے تھے اور شاخیں ہواؤں سے اٹکھیلیاں کر رہی تھیں۔

"حمزہ سلیمان!" اس نے آنکھیں بند کر کے اپنا وجود دھیرے سے کرسی پہ ڈالا تھا۔

چھم سے وہ مقناطیسی سراپا، وہ ساحر آنکھیں، وہ داڑھی سے سجا جاذب نظر چہرہ نگاہوں کے سامنے آیا تھا۔

"ایک نگاہ کا یہ عالم ہے تو۔۔۔" عائشہ نے ٹھہر کے سوچا تھا۔

"تو اس شخص کی مہربانیوں کا کیا عالم ہو گا۔" عائشہ نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی گرفت میں لیتے ہوئے سوچا تھا۔

آج ان کے گھر محبت بھی مہمان تھی اور پہلی بار ایک اچھے میزبان کی مانند عائشہ اس محبت کو خوش آمدید کہنے کو تیار تھی۔

*****

دن سستی سے بیت رہے تھے۔ اسے لگا تھا کہ یہ وقتی اٹریکشن ہے لیکن وہ نہیں جانتی تھی آنے والے دنوں میں یہ جاذبیت کتنے مسائل بڑھانے والی تھی۔ جانے ایسی کیا بات تھی کہ وہ حمزہ کے سحر سے جتنا نکلنے کی کوشش کر رہی تھی اتنا ہی گرفتار ہوتی جا رہی تھی

وہ جانتی تھی کہ وہ کسی کے معیار پر پورا نہیں اترتی پر یہ جو دل ہوتا ہے کہاں تسلیوں دلیلوں کو مانتا ہے۔ اس کا کام تو بس خوار کرنا ہوتا ہے اور یہ جی بھر کے خوار کرتا ہے۔ اس دن کب مہمان گئے؟ کیا ہوا اسے کچھ خبر نہ ہوئی۔ وقتاً فوقتاً آنٹی کا فون بھی آتا رہتا اور ہر فون پہ ان کی ایک ہی ہدایت ہوتی تھی۔

"نصرت! بیٹی کو بولو وزن کم کرے، وزن کم کرے۔" اور نصرت بیگم پیچھے لگ جاتیں۔

ان کی اسطرح کی ہدایات پر اس کا دل خوش فہم ہونے لگتا تھا کہ شاید آنٹی کے دل میں کچھ ہے۔ حالانکہ وہ سب شاید ہمدردی کے سوا کچھ نہ تھا۔

عائشہ یوں تو خوبصورت تھی ہر فن مولا کہا جائے تو شاید غلط نہ ہو گا لیکن اس کی تمام خوبیاں صرف ایک خامی کے پیچھے جا چھپی تھیں۔ وہ تھا اس کا موٹاپا اور یہ مسئلہ جینیٹیکلی (genetically) تھا۔ وہ ہر کوشش کر کے دیکھ چکی تھی لیکن وزن تھا کے کم ہونے کا نام نہیں لیتا تھا اپنی عمر سے تھوڑی بڑی ضرور لگتی تھی لیکن اتنی بری نہیں کہ قابل قبول

نہ ہو لیکن یہ دنیا ہمیشہ مکمل لوگوں کی ہوتی ہے نامکمل لوگ تو بس ان مکمل لوگوں کی تفریح کا باعث ہوتے ہیں جنھیں محفلوں میں بیٹھ کر مذاق کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

ان پر فقرے کس کے خوش ہوا جاتا ہے۔لوگوں کو لگتا ہے شاید موٹاپا ان کے جذبات پر بھی چڑھ گیا ہے۔

ان کو کچھ محسوس نہیں ہوتا حالانکہ یہ غلط ہے یقین جانیے وہ بھی جذبات رکھتے ہیں۔

ان کو بھی محسوس ہوتا ہے۔وہ بھی عام انسانوں کی طرح ہوتے ہیں۔

لیکن کوئی محسوس کرے تب۔۔۔وہ جان بوجھ کر ایسے نہیں ہوتے۔

ہم انسانوں کا ایک اور بھی بڑا محبوب مشغلہ ہے دوسرے کی کمزوریوں کو سامنے کر کے ان کی تحقیر و تذلیل کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

اس بات سے بے خبر کے اگلے کے دل پر کیا گزر رہی ہے۔اپنی چند پل کی خوشی کے لیے دوسرے کو اذیت میں مبتلا کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔

****

دنیا والوں نے اسے بھی خوب احساس دلایا تھا۔اس کی کمزوریوں کا!وہ بظاہر ہنستی کھکھلاتی،بے وقوف!بدھو سی اندر سے کتنا ٹوٹی ہوئی تھی کسی کو اس بات کا احساس تک نہیں تھا۔

اور اب محبت بلکہ یکطرفہ محبت نے اسے بلکل چپ کر دیا تھا وہ گم صم ہو کر رہ گئی تھی۔ اپنے انجام سے واقف تھی آج تک کچھ ایسا اچھا بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ خوش فہم ہوتی۔ بچپن سے ہی عائشہ بہت حساس تھی وہ رویوں کو بہت محسوس کرتی تھی۔ جہاں ماں باپ بہن بھائیوں سے بہت پیار ملا تھا وہاں چند رشتوں سے بہت سے دکھ بھی ملے تھے۔ رویے انسان کو مار دیتے ہیں اسے بھی رویوں نے مار ڈالا تھا۔ وہ اندر ہی اندر گھٹتی رہتی اسے موضوع گفتگو بننا پسند نہیں تھا لیکن وہ نا چاہتے ہوئے بھی موضوع گفتگو بن جاتی تھی۔ اسے ہلا گلا محفلیں رونقیں پسند تھیں۔ لیکن لوگوں کے خوف سے وہ ان سب چیزوں سے دور ہوتی گئی۔ جس عمر میں لڑکیاں خواب سجاتی ہیں اس عمر میں کچھ کرنے کی دھن اس کے سر پر سوار رہتی تھی کچھ ایسا کرنے کی جس سے وہ نمایا مقام حاصل کر سکے۔ کہتے ہیں ناں "قسمت خراب ہو تو کتا اونٹ پہ بھی کاٹ لیتا ہے۔"
کوئی احتیاط کوئی تدبیر کام نہ آتی تھی۔ کہیں نہ کہیں کچھ نہ کچھ سننے کو مل ہی جاتا تھا۔ جو دنوں اداس رکھتا پر وہ بھی کیا کرتی بے بس تھی۔ پر ایک بات تھی وہ قسمت سے کبھی بھی شاکی نہیں ہوئی تھی۔ وہ خوش رہنے کی کوشش کرتی تھی۔ قدرت نے اسے بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ جہاں گھر داری میں ماہر تھی وہاں اللہ نے اسے قلم کی طاقت سے

بھی نوازرکھا تھا۔ تعلیمی میدان میں بھی کامیابیاں اس کے سنگ رہی تھیں۔ کردار بھی پختہ تھا۔ بس ایک حسن پہ آکر مار کھا جاتی تھی۔

اس دن حمزہ کو دیکھ کر اس کے دماغ میں یہ بات آئی تھی کہ کسی چہرے پہ داڑھی اتنی خوبصورت بھی لگ سکتی ہے۔ وہ دن وہ ملاقات اس کے دماغ سے نکل ہی نہیں رہی تھی۔ پہلے پہل تو اسے لگا وقتی اٹریکشن ہے آہستہ آہستہ بھول جائے گا۔ پر یہی اس کی سب سے بڑی غلط فہمی تھی۔ بھلا جہاں ایک بار نگاہیں تھم جائیں وہاں سے کیسے ہٹائی جا سکتی ہیں۔ اسے خبر ہی نہ ہوئی کب اور کیسے وہ اس کے دل میں براجمان ہو گیا عائشہ ابھی تک ششدر سی دیکھتی جا رہی تھی کہ آخر یہ ہو کیا گیا ہے۔ محبت کا احساس بہت جان لیوا تھا۔ اس کی چاہت کا رنگ بڑا عجیب تھا وہ شخص اچھا لگتا تھا پر اپنا وجود اس کے قابل نہیں لگتا تھا سو کیڑے اپنی ذات میں نظر آنے لگتے۔

ہر لحاظ سے خود کو دیکھ لیا پر اب اپنا وجود اس کے قابل ہی نہیں لگتا تھا اور طلب تھی کہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ لوگ کہتے ہیں محبت میں پا لینا ہی سب کچھ نہیں ہوتا غلط کہتے ہیں پا لینا ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ ورنہ تو رگ و جاں میں اذیت ہی اس قدر برپا ہو جاتی ہے کہ جان لیوا ثابت ہوتی ہے۔ اسے ہمیشہ جوانی کی موت سے ڈر لگتا تھا اور اب جیسے جیسے دن گزر رہے تھے اس کے لئے سانس لینا بھی دشوار ہوتا جا رہا تھا۔

اسے لگتا تھا وہ شاید اب جی نہ پائے گی طلب شدید تر ہوتی جا رہی تھی۔ محبت جان لیوا مرض کی طرح پھیلتی جا رہی تھی۔ محبت نے اسے بہت سے انعاموں سے نواز دیا تھا۔ وہ جو ٹاپر تھی اب غائب دماغی کا مظاہرہ کرنے لگی تھی۔ من تھا کے کہیں لگتا ہی نہیں تھا آنکھیں اسے دیکھنے کو ترستی تھی۔ پر اس کے اندر کی اچھی لڑکی زندہ تھی وہ کچھ غلط کرنے ہی نا دیتی کوئی چور راستہ اختیار کرنے ہی نہ دیتی تھی۔ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر روز حمزہ کی فیس بک پروفائل کھولتی گھنٹوں بیٹھ کر اس کی فوٹو دیکھتی پر آنکھوں کی پیاس تھی کہ بجھتی ہی نہیں تھی۔ پہروں اپنی بے بسی پہ آنسو بہاتی، حلال طریقے سے محبت پانے کی خواہشمند تھی غلط زریعہ استعمال نہیں کرنا چاہتی تھی۔

کہتے ہیں آزمائشیں ہمیشہ اللہ کے نیک بندوں پر آتی ہیں وہ بھی آزمائی جا رہی تھی بڑی کھٹن راہ تھی زادراہ بھی نہیں تھا منزل کی خبر نہ تھی۔ اور جینے کے لیے چلنا بھی ضروری تھا۔

****

نصرت بیگم بہت دنوں سے محسوس کر رہی تھیں کہ عائشہ چپ چپ رہنے لگی ہے۔ انھوں نے عائشہ کو پاس بلا کر پوچھا تھا۔

"بیٹا! خیریت تو ہے ناں آپ مجھے کچھ دنوں سے پریشان لگ رہی ہیں۔ کوئی بات ہوئی ہے کیا؟"

عائشہ ان کی بات سن کر چپ رہ گئی سمجھ نہ آئی کہ کیا بتائے۔۔۔۔۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ہنکار بھرتے ہوئے بولی تھی۔

"ماما! آپ ہی تو کہتی ہیں۔ اچھی لڑکیاں سلجھی ہوئی خاموش ہوتی ہیں اس لیے میں بھی اچھی لڑکی بننے کی کوشش کر رہی ہوں۔۔۔۔" اس نے بات بنالی تھی اور محبت چھپالی تھی۔

بتا کے کرتی بھی کیا؟

کونسا اسے حمزہ سلیمان کے حال سے واقفیت تھی۔

اسکے دل کا حال معلوم تھا؟

کیا خبر اسکے دل میں کوئی اور ہو؟

یہ خیال عائشہ کی سانسوں پہ پہرے لگا دیتا تھا۔

اسے کسی اور سے محبت ہو۔

یہ احساس اسے پہروں بے سکون رکھتا۔

محبت عائشہ کیلیئے اس پل آگ جیسی تھی، انتظار جیسی تھی۔

وہ محبت اس پل سب کچھ تھی بس مرہم نہیں تھی۔

****

یہ کہتے ہوئے اس کے دل پہ کیا گزری تھی وہی جانتی تھی۔ نصرت بیگم اس کی بات سن کر مسکرا دی تھیں۔

یہ ماؤں کو بہلانا کتنا آسان ہوتا ہے نہ؟ ہنستے ہوئے بولی تھیں۔ "ماں صدقے جائے! میرا بچہ تو میرے گھر کی رونق ہے اور میں تو ایویں کہتی رہتی ہوں میری بچی تو سلجھی ہوئی ہے۔ اتنا چپ چپ رہنا بھی ٹھیک نہیں ہے بچے پہلے کی طرح ہنسا بولا کرو۔"

"جی! اچھا۔" عائشہ آہستگی سے بولی تھی۔

نصرت بیگم نے اس کی پیشانی چوم لی اور دعائیں دینے لگیں۔

عائشہ آمین کہتی ان سے اجازت لے کر کمرے سے نکل گئی۔ اس وقت اسے جی بھر کر رونا آرہا تھا۔ شدت سے حمزہ کی یاد نے دل میں سر اٹھایا تھا۔ اسے بے چینی نے گھیر لیا یہ بے چینی تو اب مستقل اس کی ذات کا حصہ بن گئی تھی۔

عشق بری طرح نڈھال کر ڈالا تھا اس نے وضو کیا اور نوافل پڑھنے کھڑی ہو گئی۔ رو رو کر اللہ سے التجا کرنے لگی تھی۔

"یا اللہ! مجھے اس شخص کے قابل بنا دے۔ اللہ جی! میں ان کے بغیر نہیں رہ پاؤں گی۔

اللہ میں مر رہی ہوں مجھے بچا لیں۔ انھیں میرا ہمسفر بنا دیں۔" وہ رو رہی تھی۔

تڑپ رہی تھی، آنسو تھے کہ بادل جو پورا چہرہ جل تھل کر گئے تھے۔

آنکھوں کی سرخی اسکی بے چینیوں کی گواہ بن گئی تھی۔

کافی دیر رب کے حضور مناجات کرتی رہی پھر جائے نماز لپیٹ کر اٹھ گئی اور بالکونی میں جا کھڑی ہوئی تھی۔

آسمان پہ چھائی شفق کی سرخی، عائشہ کی آنکھوں سے میل کھانے لگی تھی۔

دل ہی دل میں حمزہ کو مخاطب کرتے ہوئے وہ بولی تھی۔

"پتا ہے! دکھ یہ نہیں کہ آپ میرے نہیں ہو سکتے. اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ میں آپ کے قابل ہی نہیں، میں نے اللہ سے بہت دفعہ آپ کو مانگا ہے لیکن اب میں چھوڑ دوں گی جانتے ہیں کیوں؟ کیونکہ میں نے اپنا محاسبہ کیا ہے۔" اس نے آسمان سے نگاہیں ہٹا کے اپنے ہاتھوں پہ کی تھیں۔

سرخ سپید' چھوٹے چھوٹے صحتمند سے ہاتھ، جن کی ہتھیلیاں گلابی پڑ رہی تھیں۔

"اور اس نتیجے پر پہنچی ہوں۔ آپ کچھ اچھا ڈیزرو کرتے ہیں۔ آپ کے لیے کوئی شاندار شخصیت ہونی چاہئے اور جہاں تک میری بات ہے تو مجھے اپنے کئے کا تاوان تو بھرنا ہی

ہو گا۔ میری غلطی تھی تو سزا بھی مجھے ہی ملنی چاہیئے۔" اس نے منہ پہ ہاتھ رکھ کے اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹا تھا۔

"جب اللہ نے کہا ہے کہ دل کی خرابیوں کا سبب آنکھیں ہوتی ہیں۔ برائی نظر سے شروع ہوتی ہے اپنی نگاہیں نیچی رکھو اگر برائی سے بچنا چاہتے ہو تو تو پھر میری ہی غلطی ہے میں نے کیوں نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ جب اللہ کے حکم کی نافرمانی کی ہے تو اس کی کچھ نہ کچھ سزا تو ملنی ہی چاہیئے نہ۔" وہ آنکھیں بند کرتی، دیوار سے ٹیک لگا کے بیٹھ گئی تھی۔

"اور اس سے بڑھ کر کونسی سزا ہو گی کہ آپ کو اپنی نگاہوں کے سامنے کسی اور کا ہوتے ہوئے دیکھوں۔ شاید! یہ سب دیکھ نہ سکوں اللہ اس سے پہلے ہی میری منزل آسان کر دے پر اگر زندگی میں ایسا موقع آیا تو میں ضبط کی انتہا تک جاؤں گی۔" اس نے آنکھیں کھول کے سامنے درخت پہ بیٹھے پرندوں کو دیکھا تھا جو اپنے آپ میں مگن تھے۔

"میں بتاؤں گی دنیا کو، ثابت کروں گی کوئی کسی کے بغیر نہیں مرتا۔ میں دنیا کے سامنے محبت کی تھیوری کو غلط ثابت کروں گی۔ میں بتاؤں گی دو میں سے ایک نکالو تو ایک آدھا ہی سہی پر کٹا بٹا وجود بچتا ضرور ہے جو دنیا کے لیے عبرت ہوتا ہے۔" وہ بائیں ہاتھ سے آنسو صاف کرتے ہوئے اب شاخ پہ بیٹھے اکیلے پرندے کو دیکھ رہی تھی جو سر نیہواڑے کسی سوچ میں گم تھا۔

"میں بتاؤں گی محبت کے منکروں کو کہ محبت آکسیجن کی طرح ہوتی ہے۔ جس طرح آکسیجن نہ ملنے سے وجود نیلا پڑ جاتا ہے۔اسی طرح محبوب کی جدائی میں بھی وجود میں بھانبھڑ سے جلنے لگتے ہیں۔ جدائی کی آگ جھلسا دیتی ہے۔وجود لہولہان ہو جاتا ہے اور پھر پتا ہے اصل خوبی یا محبت کی صفت کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ اس کیفیت میں دل سے اس کے لیے دعا نکلے دل اس کا برا نہ چاہے محبت تو ہوتی ہی یہ ہے خود جل جاؤ۔"وہ اب اٹھ کے اپنے کمرے میں آئی تھی جو تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔

شاید لائٹ جا چکی تھی۔

"پر محبوب پر آنچ نہ آئے اس جلنے کا بھی اپنا ہی مزہ ہوتا ہے دل پر قیامت گزر رہی ہو اور لبوں پر مسکراہٹ ہو۔اچھا محبت کا یہ بڑا کمال ہے، ملے یا نہ ملے انسان کو انسان ضرور بنا دیتی ہے۔"اس نے کینڈل اسٹینڈ پہ دھری موم بتیوں کو روشن کیا تھا۔

پیلی زرد سی روشنی میں عائشہ کا چہرہ اس پل بے حد خوابناک سا تھا۔" کبھی کبھی مجھے محبت درویش کی ہی ایک قسم لگتی ہے جس طرح درویش کو دنیا کی پرواہ نہیں ہوتی۔وہ دوسروں کے لیے راحت کا ساماں کر جاتا ہے اسی طرح محبت بھی ہر چیز سے انجان ہوتی ہے۔جوں جوں انسان محبت کے کلیے ازبر کرتا ہے۔وہ نفرت کے کلیے بھولتا جاتا ہے

انسانیت کے قریب تر ہوتا جاتا ہے جو چیز انسانیت سے قریب کر دے وہ کبھی غلط ہو ہی نہیں سکتی اور جہاں تک جلنے کی بات ہے تو وہ تو۔۔۔"

"جلنا ہے چراغوں کا مقدر ازل سے"

کے مصداق دوسروں تک روشنی پہنچانے کے لیے جلنا تو پڑتا ہے۔"اس نے اپنا دایاں ہاتھ موم بتی کی لو پہ رکھا تھا۔

زرد شعلہ اسکی گلابی ہتھیلی کو چھو گیا تھا۔عائشہ نے آنکھیں موند لی تھیں۔

"انسان ہوں نہ!کم ظرف اسی لیے کبھی کبھی سوچتی ہوں کہ آپ میرے نہیں ہو سکتے تو کسی کہ بھی نہ ہوں لیکن یہ کیفیت وقتی ہوتی ہے کیونکہ محبت کے رنگ خود غرضی کے رنگوں سے پاک ہوتے ہیں۔جہاں خود غرضی ہوتی ہے وہاں محبت نہیں ہوتی جبکہ میں تو آپ سے محبت کی دعویدار ہوں یا شاید محبت سے بھی دو قدم آگے عشق کی مسافر ہوں تو پھر میں کیسے کچھ ایسا ہونے کی دعا کر سکتی ہوں لیکن ہاں جب اذیت انتہا کو پہنچ جاتی ہے درد رگوں کو چیرنے لگتا ہے تب تب یہ ضرور کہتی ہوں کاش آپ مجھے کبی نہ ملے ہوتے جیسے زندگی کے انیس سال گزر گئے تھے ویسے بقیہ بھی گزر جاتے

کاش مجھے آپ سے کبھی محبت نہ ہوتی۔کاش!میں آپ کو نہ دیکھتی پر اگر ایسا ہوتا تو میں زندگی کے رنگوں کو کیسے پہنچانتی؟دوسروں کی آنکھوں میں لکھی درد کی بے بسی کی

تحریروں کو کیسے پڑھ پاتی۔" اس نے آنکھیں کھول کے اپنی گلابی ہتھیلی کو دیکھا تھا جہاں محبت سلگ کے داغ چھوڑ چکی تھی۔

" جہاں محبت نے بہت سی اذیتوں سے روشناس کروایا ہے وہاں اس نے زندگی کے بہت سے حسین رنگ بھی دکھائے ہیں۔ تہجد کے سکون سے فجر کے روح پرور رنگوں سے روشناس کروانا بھی تو محبت کے احسانوں میں سے ایک احسان ہے۔ آپ کا نہ ملنا اتنا حسین ہے تو اگر آپ مل جائیں تو دنیا جنت نہ لگنے لگے۔ پر بات پھر وہیں آ کر رک جاتی ہے بھلا گنہگار کو کبھی جنت ملی ہے کیا گنہگار کا جنت سے کیا تعلق اس کے مقدر میں تو بس آگ ہی آگ ہوتی ہے۔" وہ اب سنک کے سامنے کھڑی ہاتھ دھو رہی تھی۔
گلابی سلگتی ہتھیلی پانی کی تیز دھار تلے تھی۔
" محبت کی یہ بڑی خوبی ہے محبت کے در سے کبھی کوئی خالی نہیں لوٹتا یہ محبت کی صفت ہے کہ کچھ نہ کچھ انسان کے دامن میں ضرور ڈالتی ہے۔ خواہ وہ کوئی ی حسین لمحے ہوں یا ذلت ورسوائی کی اتھاہ گہرائیاں ہوں محبت کے در سے ملنے والی سوغات بھی محبوب ہی کی طرح عزیز ہوتی ہے اور یہ سوغات زندگی کے پہلے احساس کی طرح ہوتی ہے تاعمر ساتھ نبھاتی ہے۔ انسان چاہ کر بھی نہیں بھول پاتا بھولنا آسان بھی نہیں ہوتا بھلا زندگی کے پہلے احساس کو کوئی کیسے بھلا سکتا ہے۔" اس نے ٹھنڈا سرد پانی چہرے پہ ڈالا تھا۔

آنسوؤں نے پانی کے قطروں سے ملن کیا تھا اور پھر ہر فرق مٹ گیا تھا۔
آنسو بھی تو پانی جیسے تھی جیسے یکطرفہ محبت نادانی جیسی تھی۔

*****

جانے کتنے ہی پل حمزہ کی یاد میں گزر گئے۔یوں ہی کھڑے کھڑے رات بیت گئی تھی دور کہیں فجر کی اذان سنائی دے رہی تھی۔وہ نماز کی تیاری کرنے لگی۔نماز پڑھ کر قرآن کی تلاوت کی اور پھر جانے آج کتنے دنوں بعد صبح کی سیر کے لیے نکلی شروع سے ہی اس کا معمول تھا۔

نماز و تلاوت قرآن سے فارغ ہو کر چہل قدمی کے لیے نکل جاتی تھی اسے صبح کے روح پرور ماحول سے عشق تھا قدرتی ماحول چڑیوں کا چہچہانہ ٹھنڈی ہوا یہ سب اسے بھلا لگتا تھا۔پوری کالونی کا چکر کاٹ کر گھر آ کر یونیورسٹی کے لے تیار ہونے لگی اور بنا ناشتہ کیے یونیورسٹی کے لیے نکل گئی۔رات نہ سونے کی وجہ سے آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں سر درد سے پھٹا جا رہا تھا پر اسے کوئی پرواہ نہیں تھی۔

ذرا سی تکلیف پر محلہ اکٹھا کر لینے والی اس وقت خود اذیتی کی انتہا پر تھی۔اس کی سہلیاں مذاق میں کہتیں۔"عائشہ !لوگوں کی آنکھوں کے گرد حلقے ہوتے ہیں اور تمھارے حلقوں کے درمیان تھوڑی سی آنکھیں رہ گئی ہیں۔"

وہ ان کی بات سن کر مسکرا دیتی۔ کہتی بھی تو کیا بھلا محبت کی سوغات بھی کسی کو بری لگتی ہے۔

*****

وہ کلاس اٹینڈ کرنے کے بعد لائبریری چلی آئی تھی۔ ایک کونے میں نشست منتخب کرتی بیٹھ کے رجسٹر کھولا تھا۔

بنانے تو نوٹس تھے پر ہاتھ بے خیالی میں کچھ اور لکھنے لگے تھے۔

عائشہ نے بغور اپنے ہاتھوں کو دیکھا تھا۔

گلابی ہتھیلی پہ جلتا نشان ابھی تازہ تھا۔

"تو آپ کی محبت کی عنایت ایسی ہے۔" وہ اس نشان کو چھوتے ہوئے خود اذیتی سے مسکرائی تھی۔

"یہ کیسے جل گیا عائشہ؟"

اسکا نام پکارتے ہوئے تشویش سے پوچھا گیا تھا۔

عائشہ حیرت کی زیادتی سے سن ہو کے رہ گئی تھی۔ وہ بنا پلٹے اس چہرے کو ہزاروں کی بھیڑ میں شناخت کر سکتی تھی۔

لاکھوں صداؤں کے بیچ اس من پسند صدا کو بوجھ سکتی تھی۔

"حمزہ!" اسکی سانسیں ہی نہیں لہجہ بھی بھاری ہوا تھا۔

وہ اسکے عقب میں کھڑا، بایاں ہاتھ میز پہ ٹکائے' دائیں ہاتھ کا انگوٹھا اسکی ہتھیلی پہ جمائے، اسی سمت قدرے ترچھا ہو کے جھکا تھا۔

اسکے کلون کی مخصوص مہک عائشہ کے وجود کو اپنے حصار میں لے رہی تھی۔

وہ دیوانی پل بھر میں ہی بیگانی ہونے لگی تھی۔

"آپ!" اسکی آنکھیں ایک بار پھر وہ چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

مقناطیسی آنکھیں! جاذب نظر داڑھی سے سجا چہرہ اسکی نگاہوں کے سامنے تھا۔

وہ پل امر تھا، عائشہ اس وقت مکمل تھی۔

"یہ تم نے کیا کیا ہے عائشہ؟" اسکی ہتھیلی پہ موہوم سا انگوٹھے کا زور ڈالتے ہوئے وہ پہلو میں بیٹھا تھا۔

لہجے میں افسوس تھا، ہمدردی تھی پر محبت۔۔۔شاید! وہ بھی کہیں ہو۔

اسکے ایک ذرا سے لمس سے عائشہ جی اٹھی تھی۔

کوئی امنگ تھی جو وجود میں جاگی تھی۔

"یہ بس! ہو گیا۔" عائشہ نے اپنا ہاتھ اسکے ہاتھ سے کھینچ لیا۔

جانے کیوں اسے لگا تھا ایک پل کو حمزہ کا چہرہ پھیکا پڑا ہے۔

"کیسے ؟" وہ کتاب کھولتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

عائشہ نے گہری سانس لیتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ یہاں بیٹھ کے کتاب پڑھ رہا تھا۔ اس سے بات کر رہا تھا۔

یعنی کافی فرصت سے تھا۔ اسکا جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

" آپ یہاں کیسے ؟" عائشہ اسکے سوال کا جواب مر کے بھی نہیں دے سکتی تھی۔

کیا بتاتی کہ یہ نشان، یہ داغ اسکی محبت کے صدقے تھا۔

"بس ویسے ہی ! کچھ دوست ہیں میرے یہاں۔" اس نے کہتے ہوئے نگاہوں کے حصار میں عائشہ کا سادہ سا چہرہ لئے جن پہ آنکھوں گلابی پن غضب ڈھا رہا تھا۔

"پر اب یہ داغ کہاں رہا، حمزہ کے لمس نے تو جیسے اسے امر کر دیا تھا۔" عائشہ نے ہاتھ کو مٹھی کی صورت مقید کرتے ہوئے سینے پہ رکھا تھا۔

حمزہ کی ساحرانہ نگاہیں ایک پل کو اسکے اس عمل پہ الجھی تھیں۔

"از ایوری تھنگ اوکے عائشہ ؟" وہی گھمبیر لہجہ 'مدھم سرگوشی !

"کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے حمزہ۔" اسکا دل بس سرگوشی کر پایا تھا۔ حلق میں تو جیسے آنسوؤں کا گولہ اٹکا تھا۔

عائشہ کی خاموشی حمزہ کو مزید ٹھٹکا گئی تھی۔

"اٹھو! ہم باہر جا رہے ہیں۔" وہ ایک فیصلہ کرتے ہوئے اٹھا تھا۔

"کدھر؟" عائشہ نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"اس سے پہلے لائبریرین ہم دونوں کو باہر کرے۔ ہم خود ہی اٹھ جاتے ہیں۔" حمزہ کی بات میں چھپی منطق وہ سمجھ گئی تھی۔

سر ہلاتے ہوئے اٹھی، ہاتھ بڑھا کے بکھری چیزیں سمیٹنا شروع کیں۔

مارکرز، رجسٹر، پینسل اور فل اسکیپ شیٹس اسکی ذات کی طرح سب ہی بکھرا ہوا تھا۔

"ایک منٹ!" حمزہ اسکی یہ بے ترتیبی محسوس کر چکا تھا۔ اسے پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا۔

عائشہ سائیڈ پہ ہوئی تو اس نے آگے بڑھ کے شیٹس رجسٹر میں رکھیں۔ مارکرز، پین اور پینسل پاؤچ میں ڈال کے رجسٹر پہ پاؤچ رکھ کے، اسے اٹھا لیا تھا۔

"یہ مجھے دے دیں۔" اس نے اپنا ہاتھ حمزہ کے آگے کیا تھا۔

حمزہ کی نگاہیں ایک بار پھر سے اسکی گلابی ہتھیلی سے الجھی تھیں۔ جہاں اسکی محبت کا داغ سلگ رہا تھا۔

"دوبارہ ایسا مت کرنا۔" وہ اسکی پھیلی ہتھیلی سے نگاہیں چراتا آگے بڑھ گیا تھا۔

عائشہ نے مرے مرے قدموں سے اسکی تقلید کی تھی۔ وہ بوجھ بانٹنے کے چکر میں اسکا بوجھ بڑھا گیا تھا۔

*****

وہ دونوں آگے پیچھے چلتے کیفے ٹیریا میں داخل ہوئے تھے۔ حمزہ نے ایک جگہ منتخب کر کے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

وہ بیٹھ گئی تو حمزہ خود بھی بیٹھا تھا۔

"ونس آ جنٹیلمن از آلویز جنٹیلمن۔" عائشہ کے دل نے ایک بیٹ مس کی تھی۔

وہ اسکے بیٹھنے کے بعد بیٹھا تھا۔

کتنی پیاری ادائیں تھیں اس شخص کی؟ عائشہ اگر نثار ہوتی تھی تو ٹھیک ہی ہوتی تھی۔

اپنی بڑھتی ہوئی بے اختیاری سے گھبرا کے اس نے میز پہ رکھا رجسٹر اٹھا کے گود میں رکھا تھا جو ابھی حمزہ نے میز پہ رکھا تھا۔

اس کی اس بے ساختہ حرکت پہ حمزہ کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

اسکی ہنسی پہ ایک عائشہ ہی کیا سب ہی متوجہ ہوئے تھے۔

"تم بی ایس سی کیمسٹری کر رہی ہو؟ رائٹ!" وہ دلچسپی سے اسکے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

عائشہ نے پلکیں جھپکتے ہوئے سر ہلایا تھا۔

"تو کیا اس میں ایٹم بم کا فارمولا ہے۔" وہ دونوں ہاتھ میز پہ ٹکاتے ہوئے سرگوشی کے سے انداز میں بولا تھا۔

"یہی سمجھ لیں۔"

عائشہ نے رجسٹر کو مضبوطی سے سینے سے لگایا تھا۔ اس میں وہ راز تھا جو ایٹم بم سے زیادہ خطرناک تھا۔

اس میں حمزہ کا نام عائشہ کے ساتھ لکھا تھا۔

"پھر تو کسی طرح حاصل کرنا ہی ہو گا۔" وہ اب بھی شرارت پہ آمادہ تھا۔ حاصل پہ خاصا زور دیا تھا۔

لب مسکرا رہے تھے' آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں۔

زندگی اس پل بے حد حسین تھی۔

عائشہ کے دماغ نے اس بات سے جیسے کوئی من پسند مطلب کشید کیا تھا۔

عائشہ نے اس لمحے کو کھل کے جیا تھا۔

وہ اسے مل سکتا ہے یا نہیں' یہ بعد کی بحث تھی۔ اس پل وہ اسے میسر تھا۔

وہ خوش تھی بے حد خوش !

****

"اوکے عائشہ! پھر ملاقات ہو گی۔" وہ والٹ جیب سے نکالتے ہوئے کھڑا ہوا تھا۔ دایاں ہاتھ سیل فون پہ کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔

"اتنی جلدی!" وہ تو وقت کا شمار کرنا ہی بھول گئی تھی۔

"میں پے کر دوں گی۔" اس نے اپنا پرس کھولا تھا۔

"میرے ہوتے ہوئے آپ بل نہیں پے کر سکتیں۔ اسے رول سمجھ لیں۔" پل بھر کو نگاہیں سیل فون سے ہٹاتے ہوئے وہ عائشہ سے مخاطب ہوا تھا۔

پیشانی پہ شکن تھی اور لہجے میں برہمی کی موہوم سی چبھن تھی۔

عائشہ کا چہرہ پھیکا پڑا تھا۔ وہ جو جانے کیلئے پلٹ رہا تھا اسکے چہرے پہ ڈھل جانے کے تاثرات دیکھ کے ٹھٹکا تھا۔

"میں نے شاید ہرٹ کیا تمہیں؟" وہ پوچھ رہا تھا یا اندازہ لگا رہا تھا غالباً۔

"ایسی بات تو نہیں ہے۔ میری کلاس ہے۔ میں چلتی ہوں۔" عائشہ تیزی سے بولتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

اس سے زیادہ اس شخص کی قربت میسر آتی تو آج اس نے موم کی مانند پگھل جانا تھا۔

راکھ ہو جانا تھا یا پھر آگ ہو جانا تھا۔

*****

"کیا بڈی! اتنی دیر لگا دی؟" اسکے دوست شکوہ کر رہے تھے۔

"کوئی مل گیا تھا تو باتوں میں وقت کا نہیں پتہ چلا۔" وہ نشست سنبھالتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"کوئی مل گیا تھا! یو نہی؟ آخر کون تھی وہ؟" احمد کے لہجے میں شرارت تھی۔

"فضول بات مت کرو۔" حمزہ کی پیشانی پہ بل پڑے تھے۔

"اسکا مطلب پکا کسی حسینہ سے مل کے آرہے ہیں۔" احمد باز نہیں آرہا تھا۔

"حسینہ!" حمزہ کے لبوں نے جنبش کی۔ چھم سے عائشہ کا سراپا نگاہوں کے سامنے آیا تھا۔
وہ سر جھٹک کے رہ گیا تھا۔

"تو بتاؤ پھر؟ کیسی ہیں ہماری ہونے والی بھابھی؟" احمد کو اسکے گم صم ہونے پہ کھد بد لگی۔

"بھابھی! واٹ نان سینس، شی از جسٹ فیملی فرینڈ۔ تم لوگوں نے فضول باتیں ہی کرنی ہیں تو میں جا رہا ہوں۔" وہ بے طرح بھڑکا تھا جو اسکا خاصا ہرگز بھی نہ تھا۔

"ارے! ارے! کول ڈوڈ۔ ہم اپنی بات کرتے ہیں، اب کسی کا ذکر نہیں ہو گا۔" نعمان نے مداخلت کرتے ہوئے کہا تھا۔

وہ سب حمزہ کو جانتے تھے۔ غصہ کرنا یا بھڑک جانا اسکی عادت نہیں تھی۔ ہاں! وہ انسان تھا کبھی کبھی غصہ آجاتا تھا لیکن وہ بات اسکے مزاج کے خلاف ہو تب ہی آتا تھا۔

احمد بھی حمزہ کے غصہ کرنے پہ سنبھل گیا تھا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا تھا۔
باقی کا وقت تیزی سے گزرنے لگا تھا۔

*****

مڈٹرم شروع ہوئے تو عائشہ دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنی کتابوں میں مگن ہو گئی تھی پر یہ مصروفیت بھی آخر کب تک رہتی۔
پیپرز ختم ہوئے، عائشہ کو فراغت ملی اور درد کی وہ سلطنت جو یک طرفہ محبت سے منسوب تھی ایک بار پھر سے اسکی منتظر تھی۔
عائشہ اس وقت خود اذیتی کی انتہا پر تھی۔ حمزہ کی یاد نے دل میں ایسے آگ لگائی تھی کہ سب کچھ راکھ ہونے کو تھا۔
درد ایسا تھا کہ کوئی درماں نہیں۔ اس نے اپنی خیالی دنیا بنالی تھی جہاں حمزہ سے مخاطب ہوتی دل کی باتیں کرتی جانے یہ محبت کا کون سا رنگ تھا محبت کی کونسی قسم تھی۔
وہ خیالوں میں حمزہ سے مخاطب تھی۔
"حمزہ! آپ کو ایک نظر دیکھنے کا جی چاہتا ہے۔ ایسی نظر کہ وقت تھم جائے لمحے صدیوں پہ محیط ہو جائیں۔" وہ اپنی من پسند جگہ پہ سر نیہواڑے بیٹھی تھی۔

"بس تو ہی تو کا عالم ہو اور اس ایک لمحے میں میری زندگی کی شام ہو جائے"

"یقین جانو ساری تشنگی مٹ جائے گی۔ میری بے چین روح قرار پا جائے گی۔" وہ اپنی ہتھیلی پہ حمزہ کی محبت کا مدھم پڑتا داغ دیکھ رہی تھی۔

"سنا ہے محبوب نگاہوں کے سامنے ہو تو جان کنی کا عالم بھی بڑا حسین ہو جاتا ہے۔" اسکا وہی ہاتھ جس پہ حمزہ کا لمس تھا، اب عائشہ کی آنکھوں پہ تھا۔

"سنو مجھے اس حسن سے ہی آشنا کر دو۔ میری رگ رگ میں آپ کی محبت سرایت کر گئی ہے لیکن آپ نہیں سمجھ سکو گے آپ سمجھ ہی نہیں سکتے آپ نے کبھی محبت جو نہیں کی آپ میری اذیت سے واقف ہو ہی نہیں سکتے پتا ہے یہ جو محبت کرنے والے ہوتے ہیں نہ ان کے روگ بھی بڑے نرالے ہوتے ہیں۔" وہ کسی قیمتی متاع کی طرح اب وہ رجسٹر کھولے بیٹھی تھی جس میں حمزہ کی مہک، اسکا لمس تھا۔

"یقین جانو تیز رفتار ٹرین گزر جائے تو اتنا درد محسوس نہیں ہوتا جتنا محبوب کی بے رخی درد دیتی ہے جانتے ہو یہ جو۔۔۔۔۔ یہ جو مجھ جیسے یکطرفہ محبت کے فقیر ہوتے ہیں نہ ان کا کاسہ کبھی نہیں بھرتا۔" اس دن کے بعد سے اسے حمزہ کی کوئی خبر نہیں تھی۔

"یہ تو ہمیشہ تہی دامن رہتے ہیں۔ ہجر کی اگ میں جلتے رہتے ہیں۔ جانتے ہو ہجر و نارسائی کی آگ میں جلنا آسان نہیں ہوتا نہ ہی کوئی جان بوجھ کر ہجر چنتا ہے۔ یہ تو مقدر والوں

کے حصے میں ہوتا ہے آپ بھی کہو گے کہ کتنی عجیب ہوں میں کبھی کہتی ہوں درد تو کبھی مقدر والا۔ کہا نہ آپ نہیں سمجھ سکو گے رکیں میں آپ کو بتاتی ہوں۔

پتا ہے یہ جو ہجر ہوتا ہے نہ یہ آگ کی طرح ہوتا ہے۔ جلا دیتا ہے، راکھ کر دیتا ہے۔ یقین جانیں کبھی کبھی تو مٹی میں ملا دیتا ہے۔ انسان کو اس کے اصل تک پہنچا دیتا ہے۔" وہ اب ڈائری کھولے بیٹھی تھی۔ سفید صفحات روشنائی سے سیاہ ہو رہے تھے۔

"ہجر انسان کو عرفان ذات تک لے جاتا ہے جیسے سونا آگ کی بھٹی میں جل کر کندھن بن جاتا ہے۔ ویسے ہی انسان عشق کی آگ میں جل کر معراج انسانیت تک پہنچ جاتا ہے۔" وہ لکھتے لکھتے ایک پل کو ٹھہر کے گہری سانس لینے لگی۔

" کبھی کبھی مجھے بڑی حیرانگی ہوتی ہے جب کوئی کہتا ہے کہ دنیا میں محبت کا کوئی وجود نہیں۔

تب میں سوچتی ہوں اللہ ایک لاوجود چیز کی بنیاد پر کائنات کیسے بنا سکتا ہے بھلا جو تخلیق کائنات کی بنیاد ہے وہ کیسے لاوجود ہو سکتی۔

اللہ نے اپنے محبوب نبی کریم (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم(

کی محبت میں کائنات بناڈالی تو پھر انسان کیسے محبت کا منکر ہو سکتا ہے۔ بھلا جب اس کا خمیر ہی محبت سے گندھا گیا ہے۔" اس نے اپنے ہی لکھے لفظوں کا لمس محسوس کرتے ہوئے حمزہ سلیمان کو تصور کیا تھا۔

"میں نے ایک جگہ پڑھا تھا زمین میں اگر کچھ آسمانی ہے تو وہ محبت ہے پر اب جا کے سمجھ آئی کہ ایسا کیوں لکھا گیا تھا۔ لکھنے والے نے گہرائی میں جا کر لکھا تھا وہ محبت کی جڑ تک پہنچ گیا تھا۔ جانتے ہو یہ جو لکھنے والے ہوتے ہیں نہ یہ بھی بڑے کمال ہوتے ہیں لوگوں کو لگتا ہے یہ خوابوں کی دنیا میں رہتے ہیں حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔۔۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ میرا ماننا ہے کہ انسان وہی لکھتا ہے جو وہ محسوس کرتا ہے نا محسوسات کو لفظوں کا پیراہن میں بھلا کوئی کیسے ڈھال سکتا اور خواب اور خیال بھی تو تب ہی آتے ہے جب کچھ محسوس ہو۔" اسکا ہاتھ روانی سے چل رہا تھا اور وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔

"کبھی یہ دوسرے کے درد کو لفظوں کی چادر اوڑھا دیتے ہیں تو کبھی اپنی ہی ذات کی تشنگیوں کو لفظوں کی جادوگری میں لپیٹ کر پیش کر دیتے ہیں۔ لفظوں کی جادوگری آسان نہیں ہوتی خود کو پرت در پرت دوسرے پہ آشکار کرنا اپنے وجود کی گرہ کھولنا لہو لہان کر دیتا ہے۔ پر کہیں یہ سکون بھی ہوتا کہ اگلا اس سے فائدہ اٹھائے گا میرے جیسی غلطی نہیں دہرائے گا یقین جانیے جتنے حسین لفظوں کی ردا اوڑھ کر بات پہنچائی جاتی

ہے۔ اگلا اتنے ہی جان لیوا کرب سے گزر چکا ہوتا ہے۔ اس کا مقصد آپ کو اس درد سے بچانا ہوتا ہے۔ جو وہ محسوس کر چکا ہوتا ہے یا اس درد سے نکالنا ہوتا ہے۔ جس سے آپ گزر رہے ہوتے ہیں۔" وہ جانتی تھی کہ حمزہ کبھی ان لفظوں کا بھید نہیں جان سکے گا لیکن پھر بھی وہ اسکے لئے صفحات کالے کر رہی تھی۔

"دوائیوں سے زیادہ لفظوں کی تاثیر ہوتی ہے جو ٹھنڈک پہنچاتی ہے اور کبھی ایسے گھاؤ دے جاتی کہ زخم بھرنے کا نام نہیں لیتے۔" آنسو قطرہ قطرہ اس کے گالوں پہ موتیوں کی مانند پھسل رہے تھے۔

یادوں نے کہرام مچار کھا تھا۔ وہ مخاطب تھی حمزہ کے خیالی پیکر سے جی بھر کر اس سے شکوے کر رہی تھی۔

وہ قطرہ قطرہ پگھل رہی تھی اسے ہجر کاٹ رہا تھا۔ وہ اب اکثر بیمار رہنے لگی تھی۔

"سنو! مجھے بہت یاد آتے ہو لوٹ آؤ نا چند لمحوں کے لیے ہی سہی۔ پر پلیز لوٹ آؤ میں مزید ہجر و نارسائی کی آگ میں نہیں جل سکتی۔" اسے معلوم ہوا تھا حمزہ لندن لوٹ چکا ہے۔

نجانے وہ کب واپس آتا؟ جانے سے پہلے مل کے بھی تو نہیں گیا تھا۔

"میرا وجود ختم ہوتا جا رہا ہے۔ لوٹ آؤ اس سے پہلے کے بہت دیر ہو جائے۔ یہ جو چھوٹے چھوٹے مرض میری جان کو چمٹ گئے ہیں نا یہ کسی روز مجھے آپ کا ہونے سے پہلے ہی مار دیں گے نیند کی ایسی وادیوں میں دھکیل دیں گے کہ میں چاہ کر بھی آپ کی پکار پر لبیک نا کہہ سکوں گی۔ ان لمحوں کے آنے سے پہلے بس ایک بار اپنا دیدار کروا دیں میں سکون سے مرنا چاہتی ہوں اور میرا سکون آپ ہو مجھے بے سکونی سے نکال لیں پلیز میں مزید نہیں برداشت کر پاؤں گی مجھے میرا سکون لوٹا دیں۔" وہ پگلی اب منت کر رہی تھی۔ ایک خاموش منت خاموشی سے کاغذ کی زینت بن رہی تھی۔

"میں ابھی مرنا نہیں چاہتی۔ مجھے مرنے سے خوف آتا ہے کیا منہ لے کر جاؤں گی اللہ کے پاس کہ ایک زندگی جو اس کی اطاعت کے لیے ملی تھی۔ کسی بے پتھر ہرجائی کی یاد میں گزار آئی ہوں۔ مجھے اندھیروں سے خوف آتا ہے۔ مجھے قبریں آسیب زدہ لگتی ہیں۔ لیکن اس سے زیادہ خوف آپ کے نام کے بغیر مر جانے سے آتا ہے۔ بھلا اگر آپ مجھے زمین پر نہ ملے تو جنت میں کیسے مانگوں گی اللہ سے دنیا میں میرے نہ ہوئے تو جنت میں میرے کیسے ہوں گے۔ میں دنیا سے آپ کے نام کی مہر لے کر جانا چاہتی ہوں تا کہ آخرت میں میرے پاس ثبوت ہو کوئی آپ کو مجھ سے نہ چھین سکے۔ میں دنیا میں آپ

کے ساتھ نہیں رہ پائی پر میں جنت میں آپ کے بغیر نہیں رہنا چاہتی مجھے آپ کا ساتھ صرف دنیا تک نہیں چاہیئے۔ مجھے جنت تک آپ کا ساتھ چاہیے۔

مجھے آپ سے کبھی الگ ہی نہیں ہونا کبھی نہیں آپ کے بغیر میرا کوئی وجود نہیں جس طرح پودا جڑ کے بغیر نہیں جی پاتا۔ اسی طرح میں آپ کے بغیر نہیں جی سکتی یا شاید جینا ہی نہیں چاہتی۔ پر میری بد قسمتی کہیے یا قسمت کی ستم ظریفی کہ میں یہ سب کبھی آپ کو نہیں بتا پاؤں گی۔ کبھی آپ تک اپنے جزبات اپنے خیالات نہیں پہنچا سکتی مجھے آپ کے بغیر ہی مرنا ہو گا۔ مجھے اگلے جہاں بھی آپ کے بغیر رہنا ہو گا میں کبھی خوف کے حصار سے نہیں نکل پاؤں گی۔ مجھے محبت کا بھگتان بھرنا ہو گا اس دنیا میں بھی اور آگے بھی شاید کبھی سکون نہیں مل پائے گا کوئی معجزہ ہی آپ کو میرا بنا سکتا ہے اور معجزے گنہگار لوگوں کے ساتھ نہیں ہوتے۔

آپ کو پانے کے لیے میں نے اپنے اللہ سے بھی ضد لگائی تھی۔" اس سے اب لکھا نہیں جا رہا تھا۔ وہ تھکنے لگی تھی۔

بڑی منتیں مانیں وظیفے کیئے پر سب لاحاصل ٹھہرا تھا۔

"کیونکہ کچھ چیزوں کے نہ ملنے سے انسان اپنے رب کے بڑا قریب ہو جاتا ہے۔

اللہ مجھے اپنے قریب دیکھنا چاہتا تھا وہ مجھ سے بڑی محبت کرتا ہے۔ اس نے مجھے آپ کی طلب میں ڈال اپنے تک آنے کا رستہ دیا۔ وہ بڑا رحیم ہے مجھ پہ بھی رحم کرے گا اگر لاحاصل کی تمنا میں ڈالا ہے نا تو خالی ہاتھ پھر بھی نہیں چھوڑے گا کہیں نہ کہیں کچھ نہ کچھ میرے لیے بھی اس نے رکھ چھوڑا ہے۔ پر دل کا کیا کروں پاگل ہے کوئی دلیل ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتا۔ بس محبوب کو سامنے دیکھنا چاہتا ہے دنیا کی اور کوئی چیز اس کے آگے معنی ہی نہیں رکھتی بڑا ہی کمبخت ہے یہ دل بھی در در رول رہا ہے۔ اس قدر بے وقوفیوں پر آمادہ ہے کہ اگر کوئی کہے پہاڑ سے نہر نکالو تو شاید یہ وہ بھی کرنے پر تیار ہو جائے۔ ہر طرح کی تپسیا کرنے کو تیار ہے۔ زندگی آسان نہیں تھی بے انتہا اذیت کے باوجود لبوں پہ چپ کے قفل لگائے مسکرا کر جینا کہا آسان ہوتا ہے۔ اندر ہی اندر گیلی لکڑی کی طرح سلگنا آسان نہیں ہوتا کبھی کبھی تو لکڑی کی بساند سے ہی سانسیں تھمنیں لگتی ہے حلق میں گولا سا اٹکنے لگتا ہے پر آپ جتنی بھی اذیت میں مبتلا ہوں کوشش ہوتی ہے کہ اپنا دکھ دوسرے پہ ظاہر نہ ہو پر کچھ جگھوں پہ آکر بندہ بڑا بے اختیار ہو جاتا ہے۔

من کی آگ بجھانے کے لیے کسی نہ کسی سہارے کی تلاش میں رہتا ہے تاکہ کسی طرح اپنی اذیت بانٹ لے بانٹ لینے سے اذیت ختم نہیں ہوتی بس دل کو تسلی ہو جاتی ہے۔ میں نے بھی اپنی اذیت ختم کرنے کے لیے یہ خیالی دنیا بسا رکھی ہے جہاں آپ سے

دل کی ہر بات کہہ لیتی ہوں بلا جھجک۔ یہاں اس دنیا میں مجھے اپنے رد کیے جانے کا خوف نہیں ہوتا رسوائی کا ڈر نہیں ہوتا۔

اور میرا من بھی ہلکا ہو جاتا ہے۔" وہ اب اپنی رفوگری خود کر رہی تھی۔ اپنے درد کی دوا خود کر رہی تھی۔

*****

محبت میں وہ گیلی لکڑی کی طرح سلگتی جا رہی تھی۔ عجیب کیفیت تھی روح تک کڑواہٹ ہی کڑواہٹ سراہیت کر گئی تھی۔

پر مزاج کی نرمی پھر بھی غالب تھی محبت کرنے والے چاہ کر بھی زہر نہیں اگل پاتے ان کے من بڑے شفاف ہوتے ہیں۔

ان کی ذات سے دوسرے کو نقصان پہنچے دوسرے کو اذیت پہنچے ان کو گوارہ نہیں ہوتا۔ با اخلاق تو پہلے ہی وہ تھی۔

محبت نے عاجز بھی بنا دیا تھا جانے کس کی دعا لگ جائے کی امید میں عاجزی وانکساری خدمت کے جذبے سے لبریز دوسروں کے کام کر کے خوشی محسوس کرتی محبتیں بانٹنے لگی اور پھر جانے قدرت کو اس کی کون سی ادا پسند آگئی کہ آزمائش ختم ہونے کا مدعا مل گیا۔

معمول کے تحت عائشہ یونیورسٹی سے لوٹی تو گھر میں معمول سے ہٹ کر چہل پہل محسوس ہوئی اسے لگا بہنیں آئی ہوں گی لیکن جب کپڑے تبدیل کر کے نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر کچن میں آئی تو بھابھی چائے بنا رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر مسکرانے لگیں۔

وہ نا سمجھی سے ان کو دیکھ کر بولی تھی۔

"بھابھی! خیریت تو ہے آج بڑی خوش لگ رہی ہیں اور آپ اکیلی کیوں لگی ہوئی ہیں آپیاں کیوں نہیں مدد کے لیے آئیں اتنا گندا ہو رہا ہے کچن۔" اسکی نگاہیں پھیلے ہوئے کچن کو ناپسندیدگی سے دیکھ رہی تھیں۔

"ارے! بس اب کچن صاف کرنے کے لئے آپیوں کو گھر بلواتے کیا؟" بھابھی مسکراتے ہوئے بولی تھیں۔

"کیا مطلب آپی لوگ نہیں آئے تو پھر ڈرائنگ روم میں کون بیٹھا ہوا ہے اور اتنا اہتمام کس کے لئے ہے؟" وہ حیران ہوئی تھی۔

" دھیرج بیٹا دھیرج! مہمان ہمارے نہیں آپ کے ہیں اور خاص طور پر آپ سے ملنے آئے ہیں۔" وہ معنی خیز انداز میں بول رہی تھیں۔

ان کی بات سن کر عائشہ نا سمجھی سے ان کو دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

"میرے مہمان! کون ہو سکتا ہے بھلا جو مجھ سے ملنے گھر تک چلا آئے؟"

سائرہ (عائشہ کی بھابھی) "بوجھو تو جانیں" مزید تنگ کرتے ہوئے گنگنانے لگی تھیں۔

" گڑیا رے گڑیا تیرا گڈا پر دیسیا، جوڑی آسمانی ہو گئی"!

"بھابھی! بتا بھی دیں۔ کون ہے؟ کیوں پہیلیاں بجھوا رہی ہیں۔" عائشہ تنگ پڑی تھی۔

"بچے! آنٹی نے آپ کی بات پکی کر دی ہے اور منگنی کے بجائے ڈائریکٹ نکاح کا ارادہ رکھتی ہیں۔ رخصتی آپ کے بی ایس کے بعد ہو گی۔" بھابھی کو بالاخر اس پہ ترس آ ہی گیا تھا۔

"جی"!

بھابھی کی بات سن کر اسے لگا جیسے گھر کی چھت اس پہ آن گری ہو۔ کان سائیں سائیں کرنے لگے بھابھی اس کو ششدر کھڑا چھوڑ کر چائے لے کر جا چکی تھیں۔

اسے لگا اس پل وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں پائے گی۔ جہاں تھی وہیں کھڑی رہ گئی۔

بھابھی چائے دے کر واپس آئیں تو اسے بت بنے دیکھ کر اس کے پاس آئی تھیں۔

"عائشہ بچے! مجھے پتا ہے یہ خبر آپ کے لیے اچانک ہے پر بچے بیٹیوں کو ایک نہ ایک دن اپنے گھر کا کرنا ہی ہوتا ہے۔

اور آپ کے لیے اچانک ہے پر باقیوں کے لیے تو نہیں کافی دن سے بڑوں کے درمیان بات چل رہی تھی۔" وہ اسے تسلی دے رہی تھیں۔

بہلا رہی تھیں اور وہ بس زخمی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

بھابھی کی بات سن کر اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا تھا۔

"بھابھی! اتنے دنوں سے یہ سب چل رہا ہے اور مجھے کسی نے بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا ۔رائے لینا تو دور کی بات ہے۔ میری زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ مجھ سے پوچھے بغیر کیسے کر سکتے ہیں آپ۔" وہ حیرت کی زیادتی سے ٹھیک سے بول بھی نہیں پا رہی تھی۔

حلق میں آنسوؤں کا گولہ سا اٹک گیا تھا۔

"بچے! آپ ابھی چھوٹی ہو اور ماں باپ کے بڑے حق ہوتے ہیں۔ یقین رکھیے یہ فیصلہ آپ کے حق میں بہتر ہو گا نازیہ آنٹی بہت اچھی ہیں یقیناً انھوں نے بچوں کی تربیت بھی بہت اچھی کی ہو گی۔" وہ اسے تسلی دے رہی تھیں۔

عائشہ نے جیسے کچھ سنا ہی نہیں تھا۔ وہ تو آخری بات پہ ہی سن رہ گئی تھی۔

"کیا مطلب؟ نازیہ آنٹی کہاں سے آ گئیں؟"

"ارے وہی تو تمہاری ہونے والی ساس ہیں۔ حمزہ کیلیئے انھوں نے رشتہ مانگا تھا۔ اگرچہ حمزہ آپ سے کافی بڑے ہیں پر اتنا فرق تو چل ہی جاتا ہے۔" وہ اب کاؤنٹر پہ رکھی چیزیں اٹھا کے واپس کیبنٹ میں رکھ رہی تھیں۔

عائشہ کا دل تو کیا پورا وجود ہی ایک پل کیلیئے ساکت رہ گیا تھا۔

خوشی کی زیادتی تھی یا حیرت کا شدید جھٹکا! وہ سمجھ ہی نہیں پائی تھی۔

کیا اسکی دعائیں بامراد ٹھہری تھیں؟

اسکی سن لی گئی تھی۔

"بھابھی! کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" وہ کافی دیر بعد بولنے کے قابل ہوئی تھی۔

اسے کچھ خبر نہ تھی حمزہ کا نام سن کر ہی اس پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ اسے اپنی دعاؤں کی قبولیت کا یقین تھا پر اتنی جلدی تو وہم و گمان بھی نہیں تھا۔ بھلا دعائیں یوں بھی قبولیت کا درجہ پاتی ہیں۔ آج اسکا اپنے رب پر مزید یقین پختہ ہو گیا تھا۔

"وہی جو تم نے سنا۔ حمزہ اور تم بہت جلد ایک ہونے والے ہو۔" وہ اس کی ناامیدی کو یقین کی روشنی دے رہی تھیں۔

"بھابھی! آپ سچ کہہ رہی ہیں۔ میرا مطلب ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" بوکھلاہٹ میں اسے سمجھ ہی نہیں آرہی تھی کیا کرے۔ بھابھی کام میں مصروف تھیں تو اتنی توجہ نہ دی اس پر۔

"عائشہ تم جاکر مہمانوں سے تو مل آؤ بچے۔ کتنی بری بات ہے؟ وہ کیا سوچیں گے؟ جاؤ شاباش"!

عائشہ ان کی بات پر بدک کر رہ گئی تھی۔

"نہیں! نہیں میں نہیں جارہی بھابھی مجھے شرم آتی ہے۔"

اس کی بات پر بھابھی مسکرادی تھیں۔ "چلو میں تمھارے ساتھ چلتی ہوں۔ "

وہ زبردستی اس کو لے کر مہمانوں کی جانب بڑھ گئیں۔ گلا کھنکارتے ہوئے اندر داخل ہوئیں۔ عائشہ نے جھجھکتے ہوئے سلام کیا اور ایک طرف بیٹھنے لگی کہ نازیہ بیگم بولی تھیں۔

"بیٹا! ادھر میرے پاس آکر بیٹھو۔ "

وہ ان کے پاس جاکر بیٹھ گئی۔ انہوں نے اسے گلے لگا کر پیار کیا تھا۔

اپنے گلے سے چین اتار کر اس کے گلے میں ڈالی تھی۔

" آج تو میں آپ سے پوچھنے آئی تھی بس۔ آپ لوگوں نے میرا مان رکھا اور مجھے اپنی بیٹی دے دی۔ آج سے عائشہ میری بیٹی ہے۔ ہم منگنی کے بجائے ڈائریکٹ نکاح کریں گے۔ ویسے بھی منگنی کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔" وہ سارا حساب کتاب کر کے آئی تھیں۔

" جی ٹھیک ہے! جیسا آپ لوگ کہیں، لیکن ابھی عائشہ کی تعلیم جب تک مکمل نہیں ہوتی تب تک ہمیں صبر کر لینا چاہیے۔" عائشہ کی امی نے اس جانب توجہ دلائی تھی۔

" نصرت! تمہاری بات ٹھیک ہے پر نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہم کون سا ابھی رخصتی کی بات کر رہے ہیں۔

رخصتی بچوں کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد رکھ لیں گے۔" انکا اصرار اب بھی وہی تھا۔

" دراصل بہن ابھی ہم لوگ قریبی عزیزوں میں یہ بات نہیں کرنا چاہتے۔ دراصل عائشہ کی خالہ اور میرے چچازاد بھائی بھی رشتہ مانگ رہے ہیں۔ ہم نے انہیں یہ کہہ کر منع کر دیا ہے کہ ابھی تین چار سال ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔" عائشہ کے والد عظیم صاحب نے اصل وجہ بتائی تھی۔

نازیہ بیگم ان کی بات سمجھ کے سر ہلانے لگیں۔

"چلیں! ٹھیک ہے۔ کوئی بات نہیں نکاح ابھی ہو یا تین سال بعد پر عائشہ اب ہماری ہے۔" ان کی بات پر سب مسکرا دیئے تھے اور بولے "کیوں نہیں!"۔ نازیہ بیگم کچھ دیر بیٹھ کر پھر واپس چلی گئی تھیں۔

پیچھے عائشہ خوش گمانیوں کے ساحل پہ تنہا رہ گئی تھی۔

******

زندگی ایک دم سے خوشگوار سی ہو گئی تھی۔ خوشی ابر رحمت کی طرح برسنے لگی تھی۔ عائشہ تو جانے کتنے دنوں حمزہ سے جڑنے کے احساس سے نکل ہی نہ پائی تھی۔ اس کی مسکراہٹیں لوٹ آئی تھیں۔

دور کہیں قسمت مسکرائی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی اس کی محبت کی طرح خوشی بھی یکطرفہ ہے۔

دو سال پلک جھپکتے گزر گئے۔ نازیہ بیگم دو بار انگلینڈ کا چکر لگا آئی تھیں۔ ہر دفعہ جب بھی آتیں عائشہ کے لئے خصوصی تحائف لے کر آتیں ان کی اس قدر محبت پر اسکی آنکھیں

بھیگ جاتی تھیں۔ کیسے اللہ نے اسکی سنی تھی اگر اس نے اللہ کے لیے چھوڑا تھا تو اللہ نے اسے پھر سے نواز دیا تھا۔

لیکن کہتے ہیں کچھ چیزیں' کچھ انسان ہمارے مقدر میں نہیں ہوتے۔

وہ ہمارے لیے بنے ہی نہیں ہوتے ان کے وجود سے ہمیں کبھی کوئی خوشی نہیں ملتی لیکن دل پھر بھی ان ہی کی جانب کھنچتا ہے۔ یہ نظام قدرت ہے جو چیز پاس نہ ہو اس کی طلب بھی زیادہ ہوتی ہے شاید محبت میں بھی کچھ ایسا ہی ہوتا ہے کہ محبوب پاس ہو تو سب نارمل لگتا ہے۔

کوئی خاص قدر بھی نہیں ہوتی وہی دور ہو جائے تو زندگی طوفانوں کی زد میں آجاتی ہے عجیب سی کیفیت ہوتی ہے۔

حمزہ بھی عائشہ کے لیے وقتی خوشی ثابت ہوا تھا۔

------*

اتوار کے دن گھر میں صبح سے ہی خوب چہل پہل تھی۔ ناشتے پر خصوصی اہتمام کیا گیا تھا۔ سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔

کوئی نیوز پیپر میں مگن تھا تو کوئی اپنے ہفتے کے جمع شدہ کاموں میں مصروف تھا۔ نصرت بیگم ملازمہ کے ساتھ مل کر گھر کی صفائی کروا رہی تھیں۔ عائشہ نے بھابھی کے ساتھ مل

کر ناشتہ بنوایا ابھی ناشتہ لگا کر سب کو بلانے ہی گئے تھے کے دروازے پر گھنٹی بجی۔ رحمان صاحب دروازے کی جانب چل دیے۔

" بچے! آپ لوگ جاؤ میں دروازے پہ دیکھتا ہوں۔"

عظیم صاحب نے دروازہ کھولا تو سامنے نازیہ بیگم اپنے چھوٹے بیٹے کے ساتھ کھڑی تھیں عظیم صاحب نے خوشگواری سے سلام کیا اور حال چال پوچھنے لگے۔

" کیسی ہیں آپ بہن؟"

"بس! اللہ کا کرم ہے بھائی جان۔ آپ سنائیں میں نے صبح ہی صبح آپ لوگوں کو تکلیف دی"

عظیم صاحب ان کی بات پر ناراضگی سے بولے تھے۔" ارے! بہن کیسی باتیں کرتی ہیں؟ آپ آپ کا اپنا ہی گھر ہے جب مرضی آئیں۔"

باتیں کرتے کرتے وہ دونوں ماں بیٹے کو اندر لے آئے اور آتے ساتھ نصرت بیگم کو مخاطب کر کے بولے۔

" دیکھیں بیگم صاحبہ کون آیا ہے؟"

نصرت بیگم بھی ان کو اتنی جلدی دیکھ کر حیران رہ گئی تھیں۔

"آؤنہ نازیہ! بلکہ چلو دونوں ماں بیٹا ہمارے ساتھ ناشتہ کرو۔"نازیہ بیگم ان کے اس قدر اپنائیت بھرے انداز پر مسکرادیں۔ لیکن ان کی مسکراہٹ پہلے جیسی نہ تھی۔ نصرت بیگم کو کچھ گڑبڑ کا احساس ہوا۔

ان کی چھٹی حس کچھ غلط ہونے کا اشارہ دے رہی تھی لیکن وہ اپنے خیالات کو جھٹکتے ہوئے نازیہ بیگم سے مخاطب ہوئیں اور ناشتے کے لیے اصرار کرنے لگیں۔

نازیہ بیگم نے ناشتے کے لیے منع کر دیا لیکن دونوں ماں بیٹا سب کے ساتھ بیٹھ گئے اور ساتھ دینے کے لیے چائے پینے لگے۔

ادھر ادھر کی باتوں کے درمیان ناشتہ اختتام کو پہنچا اور سب اٹھ کر اپنے کاموں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ لڑکے اپنی باتوں میں مشغول ہو گئے، عظیم صاحب بھی اخبار لے کر بیٹھ گئے۔

پیچھے نصرت بیگم اور نازیہ بیگم اکیلی رہ گئیں تو نازیہ بیگم تمہید باندھنے لگیں۔

"نصرت! دیکھو کیسا بھلا وقت تھا ہمارا ابھی جہاں ماں باپ نے باندھا بنا چوں چرا کیے خاموشی سے بندھ گئے کوئی سوال جواب نہیں کیا۔"

نصرت بیگم ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگی تھیں۔

" صحیح کہہ رہی ہو۔ نازیہ! بھلا وقت تھا۔ رشتوں میں لحاظ باقی تھا۔ شرم وحیا باقی تھی پر آجکل تو یہ سب کچھ ختم ہوتا نظر آرہا ہے۔"

"ہاں! تم ٹھیک کہہ رہی ہو نصرت۔" نازیہ بیگم اس کے جواب میں بولیں۔

" نصرت! میں تم سے بہت ضروری بات کرنے آئی ہوں۔ مجھے سمجھ نہیں آرہا کیسے بات شروع کروں؟" نازیہ ہچکچاتے ہوئے بولیں۔

" ارے کیسی باتیں کرتی ہو؟ نازیہ! جو بھی بات ہے بلا جھجک کہہ دو۔ ہچکچاؤ مت۔" نصرت ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے بولیں۔

" دیکھو نصرت! میری بات تحمل سے سننا۔ میں جانتی ہوں تمھیں میری بات سے بہت دکھ پہنچے گا لیکن میں بہت مجبور ہوں۔ مجھے بھی عائشہ اتنی ہی عزیز ہے جتنی کہ آپ کو ہے لیکن کچھ فیصلے دل پر پتھر رکھ کر کرنے پڑتے ہیں۔ اولاد کی خوشی کو مد نظر رکھتے ہوئے۔" نصرت بیگم سر جھکائے بولی تھیں۔

" نازیہ کیا بات ہے۔ تم کیا کہنا چارہی ہو کھل کر بولو۔" نصرت بیگم کے لہجے میں اندیشے بول رہے تھے۔

" نصرت! وہ۔۔وہ دراصل میرا حمزہ عائشہ کے لیے نہیں مان رہا۔ میں نے بہت کوشش کی۔ اب تم ہی بتاؤ میں کیا کروں؟" نازیہ بیگم بے بسی سے بولیں۔ نصرت میں عائشہ کو

اپنی بیٹی بنانا چاہتی تھی پر اب یہ ممکن نہیں رہا۔ بہتر ہے تم عائشہ کی شادی کسی اچھی جگہ کر دو میرا بیٹا ہی اس کے قابل نہیں۔

نصرت بیگم کو سن کر ہی سکتہ ہو گیا۔ کیا وہ بیٹی کی دلی کیفیت سے واقف نہ تھیں۔

ماں تھیں سب جانتی تھیں بیٹی کے جزبات سے واقفیت رکھتی تھیں اس کے چہرے کی مسکان حمزہ کی مرہون منت تھی اور اس بات سے سارا گھر واقف تھا۔

انھیں لگا جیسے وہ ہمیشہ کے لیے عائشہ کو کھو دیں گی۔

نازیہ اور بھی جانے کیا کیا کہہ رہی تھی پر انھیں کچھ سنائی نہ دے رہا تھا۔ نازیہ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ حال میں لوٹیں۔

اور دھیرے سے بولیں۔ "حمزہ کیا کہتا ہے؟"

ان کی بات پر نازیہ بیگم نے سر جھکا لیا۔

"اور آہستہ سے بولیں نصرت وہ کہتا ہے مجھے فیٹی' بلیک لڑکیاں پسند نہیں ہیں۔ مجھے ڈیسنٹ پڑھی لکھی خوبصورت لڑکی سے شادی کرنی ہے۔"

"وہ کہتا ہے۔ مجھے بیوی چاہیے ملازمہ نہیں گھر کے کام تو ملازمہ بھی کر لیتی ہے۔ کھانا ہوٹلز سے بھی مل جاتا ہے۔ نصرت میں جانتی ہوں وہ غلط ہے لیکن میں عائشہ کی زندگی برباد نہیں کرنا چاہتی۔" وہ آہستگی سے عائشہ کا وجود دھماکوں کی زد میں کر رہی تھیں۔

"پلیز مجھے غلط مت سمجھنا ابھی وہ لوگ بات ہی کر رہے تھے کہ اچانک عائشہ نمودار ہوئی اور گلے سے چین اتار کر نازیہ بیگم کے ہاتھ میں رکھ دی اور روتے ہوئے بولی آنٹی میں واقعی آپ کے بیٹے کے قابل نہیں۔

"حمزہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ان کے ساتھ ان کے جیسی ہی کوئی لڑکی سوٹ کرتی ہے بھلا میرا اور ان کا بھی کوئی جوڑ ہے۔" یہ کہتے ہوئے جانے اس نے اذیت کے کون کون سے دریا پار کیے تھے۔

وہ ایک بار پھر دھتکار دی گئی تھی۔

شروع سے ہی ہر جگہ سے دھتکار ملی تھی یہ کوئی نئی بات نہیں تھی پر پھر بھی جانے کیوں دل سینے میں بائیں جانب درد کی تیز لہر اٹھی تھی۔

وہ سینے پہ ہاتھ رکھ کر تیز تیز سانسیں لینے لگی۔

نازیہ بیگم اور نصرت بیگم اس کی غیر ہوتی حالت دیکھ کر چیخ پڑیں وہ بے ہوش ہو چکی تھی ۔دونوں چلانے لگیں۔

عظیم صاحب بھاگتے ہوئے اچانک گھر میں ہلچل مچ گئی سب اس کی طرف بھاگے پتہ نہیں کس نے گاڑی نکالی کیسے ہسپتال پہنچے۔

ڈاکٹرز فوراً عائشہ کو ائی-سی-یو لے گئے۔

اس کی حالت تشویشناک تھی۔

اسے ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔

فی الحال ڈاکٹرز کوئی تسلی نہیں دے رہے تھے۔

بس دعا کا کہہ رہے تھے۔

نازیہ بیگم الگ پیشمان سی کھڑی تھیں انھیں اپنا آپ قصوروار لگ رہا تھا۔

نازیہ بیگم کی پر شکوہ نگاہیں ان کی ندامت میں اضافے کا باعث بن رہی تھیں۔

گھر والے سب پریشان تھے کہ اخر اچانک ایسا کیا ہوا کہ بات ہارٹ اٹیک تک جا پہنچی ڈاکٹر نے بتایا تھا کہ انھیں اچانک کوئی صدمہ ملا ہے۔ جسے برداشت نہیں کر پائیں۔

عظیم صاحب نصرت بیگم کے پاس آکر بیٹھ گئے۔

جو ایک جانب سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔"

نصرت! مجھے سچ سچ بتاؤ عائشہ کو کس بات کا صدمہ پہنچا ہے؟ تم یقیناواقف ہو۔"

"مجھے بتاؤ پلیز۔"

نصرت بیگم سہارا پاتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رو دیں اور روتے روتے ساری بات بتادی کچھ دیر تک تو عظیم صاحب کچھ بول ہی نہ پائے۔

پھر شدید غصے کی لہر کو دباتے ہوئے اٹھے اور نازیہ بیگم کے پاس جا کر بولے۔ "بہن! مہربانی ہو گی آپ کی اٹھیے اور اپنے گھر کا راستہ ناپیں۔"

وہ رنج سے کہہ رہے تھے۔

"بہت ہو گیا آپ کی سوغاتیں ہمارے لیے کافی ہے خدارا چلی جائیں۔" انہوں نے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

"ہم اور ہماری بیٹی آپ لوگوں کے قابل نہیں۔"

"جائیں چھوڑ دیں ہماری جان۔"

نازیہ بیگم روتے ہوئے چلی گئیں۔

آج بیٹے کی وجہ سے انھیں شدید شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

عائشہ کی زندگی الگ خطرے میں تھی۔

عظیم صاحب ان کے جانے کے بعد الگ ڈھے گئے۔باپ کے لیے اولاد کے دکھ سے بڑا کوئی دکھ نہیں ہوتا خاص طور پر بیٹیوں کے دکھ باپ کو وقت سے پہلے بوڑھا کر دیتے ہیں۔

ان کی پاگل بیٹی نے کیسا روگ پال لیا تھا۔

وہ اٹھ کر آئی-سی-یو کے دروازے پر کھڑے ہو گئے شیشے کے اس پار ان کے جگر کا ٹکڑا مشینوں میں جھکڑا زندگی و موت کی کشمکش میں تھی۔

بہن بھائی الگ پریشان تھے۔

عائشہ تھی ہی اتنی اچھی سب کو اس سے خصوصی لگاؤ تھا۔

جانے کیسی قسمت پائی تھی عائشہ نے کبھی بھی کوئی بھی مکمل خوشی اس کی ذات کا حصہ نہ بنی تھی.

ڈاکٹر آئی سی یو سے نکلا تو رحمان صاحب اس کی جانب دوڑے اور عائشہ کی بابت سوال کرنے لگے۔ڈاکٹر نے ان کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔"اب آپ کی پیشنٹ ٹھیک ہیں۔" "ان کو ہوش آجائے تو ہم روم میں شفٹ کر دیں گے۔ آپ لوگ پھر مل سکیں گے۔ اور خیال رہے کوئی ٹینشن والی بات نہ کی جائے۔"

"جی ڈاکٹر صاحب بہت بہت شکریہ آپ کا۔" دو گھنٹے بعد عائشہ کو ہوش آگیا تھا اور اسے روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ سب باری مل رہے تھے،ڈاکٹر نے سب کو ایک ساتھ ملنے سے اور اس کے ارد گرد رش کرنے سے منع کیا تھا۔

عائشہ غائب دماغی سے سب کو خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

لبوں پہ جامد خاموشی کا پہرا تھا۔

کسی نے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ گویا اسکے ساتھ ساتھ باقی سب کی زبانوں کو بھی قفل لگ گئے تھے یا یوں کہنا بہتر ہو گا کہ وہ لوگ اسے مزید اذیت نہیں دینا چاہتے تھے۔

کچھ دن ہاسپٹل رکھ کر اسکی حالت بہتر ہونے پر اسے گھر شفٹ کر دیا گیا تھا۔

گھر عیادت کرنے والوں کی الگ لائن لگی ہوئی تھی۔

ہر ایک سے مل مل کر اور سب کے ایک جیسے سوال سن سن کر عائشہ اس سب سے تنگ آنے لگی تھی۔ اسے خاموشی اور تنہائی درکار تھی جو آجکل اس کے لیے خواب ہو کر رہ

گئی تھی۔ ہر وقت کوئی نہ کوئی اس کے پاس موجود رہتا تھا تاکہ وہ خود کو اکیلا محسوس نہ کرے۔

وقت کا کام ہے گزرنا اور وہ اپنی پوری رفتار سے گزر رہا تھا آہستہ آہستہ سب کچھ نارمل ہونے لگا تھا اور بظاہر عائشہ بھی نارمل ہو گئی تھی یا شاید اس نے حالات سے سمجھوتا کر لیا تھا۔

لیکن کہتے ہیں نہ کہ محبت ایک دفعہ پیچھے پڑھ جائے تو قبر تک ساتھ نبھاتی ہے۔

نازیہ بیگم کو دوبارہ آنے کی ہمت ہی نا ہوئی کس منہ سے خیریت دریافت کرنے آتیں۔

ایک عجیب طرح کی اداسی نے عائشہ کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

دکھ اس کی آنکھوں میں ہلکورے لیتا محسوس ہوتا تھا۔

وہ آنکھیں جو صرف خواب دیکھتی تھیں گہری اداسی کی لپیٹ میں تھیں۔ جگنوں کی طرح چمکتی ان آنکھوں میں سوز تھا۔ ہجر کا درد ہلکورے لیتا تھا۔

اس قدر رویا ہوں تیری یاد میں
آئینے آنکھوں کے دھندلے ہو گئے

وہ اپنے خیالوں میں گم تھی کہ اچانک اس کا فون بجنے لگا۔ موبائل کی مسلسل بجتی بیل نے اسکی سوچوں کے تسلسل پہ بندھ باندھا چونکنے کے سے انداز میں سر جھٹکتے اس نے اٹھ کر دیکھا تو انجان نمبر سے کال تھی کچھ سوچ کر اس نے فون کان سے لگا لیا۔

"ہیلو"!

دوسری جانب سے مردانہ آواز میں ہیلو سنائی دیا تو اس نے جھجھکتے ہوئے پوچھا۔

"کون؟؟"

دوسری جانب کچھ دیر خاموشی چھاگئی پھر آواز آئی

" میں حمزہ!"جواب سن کر اس کے دل نے ایک بیٹ مس کی چند لمحے یقین و بے یقینی کی کیفیت میں جھولتے بالآخر وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولی۔

"جی فرمایئے۔"انداز اجنبی تھا۔

"وہ گہری سانس لے کر رہ گیا۔

"عائشہ میں آپ سے چند ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"بنا لگی لپٹی کے وہ ڈائیریکٹ مدعے پر آیا۔

"میں جانتا ہوں میرے فیصلے سے آپ کو تکلیف پہنچے گی لیکن بعد کی تکلیف سے بہتر ہے کہ ہم ابھی کوئی فیصلہ لے لیں۔"ہم نہیں آپ فیصلہ تو آپ کا ہو گا مجھے تو بس اس پہ عمل

کرنا ہے۔ آپ بیفکر ہو کر سنائیں اتنی کمزور نہیں ہوں میں۔ عائشہ نے فورا اس کی بات کاٹی۔

"بات یہ ہے کہ میں آپ کو اپنے ساتھ ناحق باندھنا نہیں چاہتا۔ دراصل میں صاف اور سیدھی بات کہوں تو یہ ہے کہ مجھے دبو سی ڈری سہمی لڑکیاں بالکل بھی نہیں پسند۔ مجھے ایسی بیوی چاہیے جو میرے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل سکے۔ جبکہ ماما کو گھریلو لڑکیاں پسند ہیں۔ جبکہ میرا خیال ہے بیوی اور ملازمہ میں فرق ہونا چاہیے گھر کے کام تو ملازمہ بھی کر سکتی ہے۔" اس وقت وہ بے رحمی کی انتہا پر تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اسے ملازمہ سے کمپئیر کر گیا تھا۔ اس کے لفظ عائشہ کو لہولہان کر رہے تھے۔ وہ اسے سن رہی تھی کیونکہ آج اس نے صرف سننے کا عہد کیا تھا۔

وہ کچھ توقف کے بعد بولا "مس عائشہ یقیناً اپنے لائف پارٹنر کو لے کر آپ کے بھی کچھ خواب ہونگے جنہیں شاید میں کبھی پورا نہ کر سکوں یا شاید یوں کہنا بہتر ہو گا کہ آپ میری بیوی کے خاکے پہ پورا نہیں اترتیں۔" اس نے بنا لگی لپٹی کے دوٹوک انداز میں کہا۔ حمزہ کی بات سن کر عائشہ پھٹ پڑی۔

"آپ خوابوں کی بات کرتے ہیں۔ کون سے خواب؟ کیسے خواب؟ ہنہہ خواب تو ہوتے ہی ٹوٹنے کے لیے ہیں خاص طور پہ ہم لڑکیوں کے خود ساختہ خواب۔ بھلا آج تک کبھی ایسا ہوا ہے کہ کسی کو من چاہا کچھ ملا ہو۔ بالفرض اگر کسی کا کوئی خواب پورا ہو بھی جائے من چاہی چیز مل بھی جائے تو یقین جانیے یقیناً اس نے خواب کی تعبیر پانے کے لیے بھاری تاوان بھرا ہو گا اور مجھ میں اتنی سکت نہیں کہ میں مزید کچھ کھو سکوں ہاہا کھونے کی بھی خوب کہی ہے اب میرے پاس کھونے کے لیے بچا ہی کیا ہے۔

کھو تو چکی ہوں میں سب کچھ اپنا آپ تک میرے وجود کا ذرہ زرہ مجھ سے بغاوت پہ اتر آیا ہے۔

کچھ بھی تو میرے پاس میرا نہیں رہا ہے ایک خواب جو کبھی دیکھا بھی نہیں تھا اس کی تعبیر پانے کے لئے میرا وجود ریزہ ریزہ ہو گیا ہے مسٹر حمزہ۔

صرف اس ایک خواب کا اتنا بھاری قرض چکانا پڑھ رہا ہے تو اگر کوئی من چاہا خواب دیکھا ہو تا تو شاید خاک ہو جاتی پر خاک تو اب بھی ہو گئی ہوں۔ آپ کی چاہ میں اتنا بھٹکی ہوں اتنا بھٹکی ہوں کے میرا وجود مٹی ہو کر رہ گیا ہے۔"شدت جذبات سے اس کی آواز رندھ گئی تھی۔

"ایک۔۔۔۔ایک کھٹ پتلی سے زیادہ اہمیت نہیں رہی میری، ایسی کھٹ پتلی جس کی ڈور رشتوں کے ہاتھ میں ہیں۔ یہ جو چند گنتی کے رشتے بچے ہیں نہ میرے پاس ان کے لیے جی رہی ہوں۔ میرے وجود میں جو سانسوں کی رمق ہے نہ یہ ان کی وجہ سے ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو میری سانسوں کے ساتھ سانسیں لیتے ہیں میرے ماں باپ ان کے چہرے مجھے مکمل خاک ہونے نہیں دیتے۔

ان کی خاطر میں مسکراتی ہوں کھکھلاتی ہوں لیکن اس سب کے دوران میں جس کرب سے گزرتی ہوں یہ میں جانتی ہو یا میرا اللہ جانتا ہے۔

"آپ کبھی اس اذیت سے واقف نہیں ہو سکتے آپکو میں پاگل لگوں گی جھلی لگوں گی۔ ہاں میں پاگل ہوں جھلی ہو سب جانتے بوجھتے جن راستوں کا میں نے انتخاب کیا ہے، ان پر کوئی نارمل انسان چل ہی نہیں سکتا جھلی ہی تو ہوں جو آپ کو اپنا سمجھ بیٹھی ہوں اپنی اوقات بھی نہیں دیکھی اور کچے خاردار راستوں کی مسافر بن بیٹھی ہوں منزل کی خبر نہیں زادراہ میسر نہیں اور گم نام منزل ہے۔ہاں آپ سہی کہتے ہیں بھلا میرا اور آپ کا کیا جوڑ۔ مجھ جیسی لڑکی واقعی آپ کی بیوی کے خاکے پر پورا نہیں اترتی۔

جایئے آپکو آپکی خوشیاں مبارک ہوں۔

بنا حمزہ کا جواب سنے بے ربط سی باتیں کر کے عائشہ نے کال ڈراپ کر دی۔ اور ایک بار پھر سسک پڑی۔

حمزہ موبائل کو ہاتھ میں پکڑے ششدر کھڑا رہ گیا تھا اسے سمجھ نہ آئی کیا جواب دے یا کیا کرے۔

عائشہ کے الفاظ اور اسکے جذبات سن کر وہ سٹپٹا کر رہ گیا تھا۔

اس نے غیر جانبدار ہو کر سوچا آگر واقعی عائشہ کے موٹاپے کو نظر انداز کر دیا جائے تو وہ واقعی ایک مکمل لڑکی تھی۔

لیکن کہیں اندر سے آواز آئی "جب میں خود بہترین ہوں تو پھر کیوں نظر انداز کروں۔"

اور یہی انسانی المیہ ہے کہ اسے اپنے سوا ہر چیز حقیر نظر آتی ہے۔

اس سوچ کے آتے ہی اسکا ضمیر ملامت کرنے لگا "اگر تم بہترین ہو تو اس میں تمھارا اپنا کیا دوش ہے۔ جس اللہ نے تمھیں بہترین بنایا ہے کیا وہ عائشہ کو بہترین نہیں بنا سکتا تھا تم کون ہوتے ہو یہ فیصلہ کرنے والے کیا پتا وہ اللہ کے نزدیک تم سے زیادہ بہتر ہو۔

اور تم یہ کیوں بھول بیٹھے ہو کہ اللہ نے ہر انسان کو خوبصورت اور مکمل بنایا ہے۔"

خود سے جنگ لڑتے لڑتے بالآخر وہ ہار گیا ضمیر کی چوٹ ہمیشہ گہری لگتی ہے۔ وہ فیصلہ کن انداز میں دوبارہ موبائل کی طرف متوجہ ہوا چند منٹ لگے تھے خود ساختہ معیار سے نیچے آنے میں موبائل کان سے لگائے وہ بے چینی سے منتظر تھا۔

دوسری جانب بیل جاتی رہی لیکن عائشہ نے کال ریسیو نہ کی وہ اپنے حواسوں میں ہوتی تو فون اٹھاتی نا۔

"حمزہ کے منہ سے یہ سننا کہ وہ اسکے پسندیدہ خاکے پر پورا نہیں اترتی اسکے لیے کسی اذیت سے کم نہیں تھا۔

اسکے رسپانس نہ دینے پر حمزہ نے بالآخر تھک ہار کر فون رکھ دیا اور سونے کے لیے لیٹ گیا۔

یہ ایک فیصلہ کر کے وہ مطمئن ہو گیا تھا۔ اسے اب صبح کا انتظار تھا تاکہ سب ٹھیک کر سکے ماں کے چہرے کی رونق بحال کر سکے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں تھا کہ عائشہ ان کی خواہش اول تھی اس کی ذات سے بہت سے لوگوں کو تکلیف پہنچی تھی۔

جس کا اسے مداوا کرنا تھا۔

آنکھوں ہی آنکھوں میں رات کٹ گئی تھی اور آج اسے پہلی دفعہ احساس ہوا تھا کہ انتظار کتنا جان لیوا ہوتا ہے۔ خواہ وہ کسی بھی نوعیت کا کیوں نہ ہو۔

☆☆☆☆☆

جیسے تیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں رات کٹ گئی تھی۔ اگلے دن صبح ہی صبح حمزہ تیار ہو کر عائشہ کے گھر روانہ ہو گیا اسے جلد از جلد اپنی غلطی سدھارنی تھی۔

عائشہ کی باتوں نے اسکا ضمیر جھنجھور کر رکھ دیا تھا وہ کسی معصوم کی آہیں نہیں لینا چاہتا تھا۔ جبھی ناشتہ کیے بغیر وہ گھر سے نکل گیا تھا۔

ان کے گھر پہنچ کر اب وہ شش و پنج میں مبتلا تھا کہ آیا اندر جائے یا نہ جائے۔

کیونکہ وہ سوائے ایک دو بار کے کبھی بھی ادھر نہیں آیا تھا اور اب جس طرح کے حالات تھے تو ایسے میں اسے وہاں جانا اور بھی عجیب لگ رہا تھا۔
لیکن اب آ گیا تھا تو اندر بھی تو جانا ہی تھا گہری سانس خارج کرتے کچھ سوچتے ہوئے اس نے ڈور بیل پہ ہاتھ رکھ دیا۔

کچھ ہی دیر میں دروازہ کھلنے کی آواز پہ اسکی سوچوں کا تسلسل ٹوٹا سامنے عظیم صاحب کھڑے تھے۔

انھیں سامنے کھڑا دیکھ کر وہ سٹپٹا گیا اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا بات کرے۔

"اسلام علیکم! انکل کیسے ہیں آپ۔"

وہ جلدی سے انھیں سلام کر کے حال چال پوچھنے لگا۔

حمزہ کو سامنے کھڑا دیکھ کر عظیم صاحب کتنی ہی دیر اپنی جگہ سے ہل نہیں پائے تھے وہ حمزہ کی دیدہ دلیری پر حیران تھے کہ اتنا سب کچھ ہو جانے کے بعد بھی وہ ان کے سامنے موجود تھا۔

لیکن پھر اچانک ہوش آیا تو غصہ سے منہ پھیر گئے۔

"برخوردار اب کیا لینے آئے ہو یہاں کونسی سوغات دینا باقی ہے۔جو ایک دفعہ پھر چلے آئے ہیں۔ساری ایک ہی دفعہ کیوں نہیں دے دیتے۔"

عظیم صاحب کی باتیں سن کر حمزہ شرمندہ ہو کر رہ گیا اور منمناتے ہوئے بولا۔
"انکل پلیز ایک دفعہ میری بات سن لیں صرف ایک دفعہ۔"
اس کے لہجے میں جانے ایسا کیا تھا کہ عظیم صاحب چونک کر اسے دیکھنے لگے وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسکی بات سننے پہ خود کو مجبور پایا۔

اور اس کو ساتھ آنے کا اشارہ کر کے ڈرائنگ روم تک لے آئے اور بیٹھ کر خاموشی سے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

حمزہ اپنی ساری ہمت مجتمع کر کے بولا۔

"انکل میں جانتا ہوں میں نے بہت غلط کیا مجھے یہ سب نہیں کرنا چاہیے تھا۔ پتا نہیں میری آنکھوں پہ کیسی پٹی بندھی تھی کہ مجھے اپنے سوا کسی کی خوشیاں نظر ہی نہ آئیں۔"

کن اکھیوں سے عظیم صاحب کو دیکھتے اسنے گہری سانس لیتے اپنی بات جاری رکھی۔

"لیکن اب مجھے سب سمجھ آچکی ہے میں غلط تھا مجھے آپ سے معافی درکار ہے امید ہے آپ مجھے معاف کر دیں گے۔ اگر آپ نے معاف کر دیا تو یقینا ماما اور عائشہ بھی مجھے معاف کر دیں گی۔"

پر امید نگاہوں سے انھیں دیکھتا وہ ملتجی ہوا۔

"پلیز انکل"!

عظیم صاحب غور سے اسکی بات سن رہے تھے انھیں اسکے چہرے پر سچائی نظر آئی۔

لیکن وہ پھر بھی خود کو کچھ سخت جملے کہنے سے باز نہ رکھ سکے۔

"بیٹا جی آپکی غلطی نہیں ہے۔ اصل میں آجکل نوجوان نسل نے رشتوں کا مذاق ہی بنالیا ہے۔ جہاں جو منہ میں آتا ہے بول دیتے ہیں۔ نہ اپنا خیال نہ ماں باپ کی عزت کا پاس اور جب سب بگڑ جاتا ہے تو ایک لفظ معافی سے سب ٹھیک کرنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں۔

"کیا ایک معافی مانگ لینے سے اگلے کی تکلیف کا مداوا ہو جاتا ہے؟ کیا اگلے پہ گزری قیامت اسکا درد ایک معافی سے ختم ہو جاتا ہے؟"

ان کی باتیں سن کر حمزہ شرمندگی کی عمیق گہرائیوں میں ڈوب گیا۔

"انکل میں جانتا ہو میں نے بہت غلط کیا ہے۔ آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں معافی بہت چھوٹا لفظ ہے۔ لیکن میں آپکو بھرپور یقین دلاتا ہوں کہ میں اپنی ہر غلطی کا ازالہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ بس آپ مجھے ایک موقع دے کر تو دیکھیں۔" اس نے انھیں یقین دہانی کروانا چاہی۔

اس پر عظیم صاحب پر سوچ سے انداز میں بولے۔

"کیا گارنٹی ہے کہ تم اپنے قول پر پورے اترو گے کیا سوچ کر تم پہ بھروسہ کروں؟ بولو اگر کوئی دلیل کوئی گارنٹی ہے تو۔"

"انکل پلیز بس ایک دفعہ مجھ پر بھروسہ کرلیں میں آپ کا اعتماد کبھی بھی نہیں توڑوں گا۔ پلیز انکل"!

عظیم صاحب جانچتی ہوئی نگاہوں سے اسکو دیکھ رہے تھے انھیں اسکے لہجے میں سچائی نظر آئی بیٹی کی خوشی سے بھی واقف تھے۔

نہ چاہتے ہوئے بھی انھوں نے اسے موقع دینے کا فیصلہ کرلیا۔

"میں تم پر آخری دفعہ یقین کررہاہوں۔ اپنی بات سے پھرنا مت۔" انھوں نے اپنا فیصلہ سنادیا

"اورہاں! میں عائشہ سے بات کرونگا اسکا جو بھی فیصلہ ہوگا وہی ہمارا بھی آخری فیصلہ ہوگا۔ اب یہ اس پر ہے کہ وہ کیا کرتی ہے۔" اسے مژدہ جاں سناتے آخر میں انھوں نے بال عائشہ کی کوٹ میں پھینکی۔

اس پر حمزہ جلدی سے بولا۔

"انکل جہاں آپ اتنی فیور کر رہے ہیں وہاں ایک اور چھوٹی سی فیور دے دیں پلیز مجھے ایک دفعہ عائشہ سے خود بات کرنے دیں۔ پلیز انکل میں عائشہ سے سب کلئیر کر کے معافی مانگنا چاہتا ہوں پلیز انکل۔"
وہ کچھ دیر سوچ میں پڑھ گئے۔ جتنے بھی ماڈرن سہی بہر حال یہاں بیٹی کا سوال تھا۔

لیکن بیٹی کے احساسات بھی انکے سامنے تھے اسکی دلی کیفیت سے وہ انجان نہیں تھے۔ اگر قسمت انکی بیٹی کا ساتھ دے ہی رہی تھی اور حمزہ کے دل میں کچھ ڈالا تھا تو وہ اسکی خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننا چاہتے تھے۔

اسلئے انھوں نے اسکو اجازت دے دی اور ساتھ لے کر عائشہ کے کمرے کی جانب بڑھ گئے طبیعت کی خرابی کے باعث عائشہ کو آجکل نیچے گیسٹ روم میں ہی شفٹ کر دیا گیا تھا۔

تاکہ اسکا ٹھیک طرح سے خیال رکھا جاسکے گھٹنوں کے درد کی وجہ سے نصرت بیگم بار بار سیڑھیاں نہیں چڑھ سکتی تھیں۔

عائشہ کے روم کے پاس آکر وہ رک گئے اور ہلکے سے دروازہ کھٹکھٹایا۔
"آجایئے۔" اندر سے آواز آئی تو وہ دروازہ کھول کر داخل ہو گئے۔
بابا کو دیکھ کر عائشہ اٹھ بیٹھی اور جلدی سے دوپٹہ ٹھیک کرنے لگی۔

اس پل حمزہ کو اسکی اس ادا پر ٹوٹ کر پیار آیا اور وہ خود بھی حیران رہ گیا ایسا کیوں ہے۔

واقعی حیا عورت کا زیور ہے جو اسے خوبصورت بناتا ہے۔
اور اسی حیا و پاکیزگی نے حمزہ کا دل اپنی جانب مائل کیا تھا۔
اسنے ابھی تک حمزہ کو نہیں دیکھا تھا۔

"بابا آیئے نہ بیٹھیے۔ آپ کو کوئی کام تھا تو مجھے بلا لیتے۔" وہ آج سے پہلے اس طرح سے کبھی اسکے روم میں نہیں آئے تھے تو حیرت بجا تھی۔

"جی بیٹا دراصل حمزہ بیٹے آپ سے مل کر کچھ بات کرنا چاہ رہے تھے۔ آپ لوگ بات کر لیں میں چلتا ہوں۔" وہ اسکے سر پر ہاتھ رکھتے نرمی سے بولے۔

"اور ہاں بیٹا کوئی بھی فیصلہ ہر طرح کے دباؤ سے آزاد ہو کر کیجئے گا۔ ہمیں آپ کا ہر فیصلہ منظور ہو گا۔" کچھ یاد آنے پر وہ مڑے اور اپنے ساتھ کی یقین دہانی کروائی۔

حمزہ کو سامنے دیکھ کر اسکے حواس جواب دے گئے تھے۔ عظیم صاحب اسے نصیحت کرتے جا چکے تھے۔
حمزہ اسکا ششدر انداز دیکھ کر مسکرا دیا اور ہنکار بھرتے ہوئے شرارتی انداز میں بولا۔

" بھئی عائشہ آپ تو بڑی اسمارٹ ہو گئی ہیں۔" بلاشبہ یہ حقیقت بھی تھی اتنی بیماری کے بعد وہ واقعی کملا کر رہ گئی تھی۔
اور عائشہ اسکی بے تکی بات پر بس دیکھ کر رہ گئی۔
پھر وہ سنجیدگی سے بولا۔

"عائشہ جانتی ہو میں یہاں کیوں آیا ہوں۔" عائشہ کچھ بھی نہ بولی تو وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولا

"عائشہ مجھے پتہ ہے میں نے آپکے ساتھ بہت غلط کیا ہے۔مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا ۔لیکن انسان ہوں نہ خطا کا پتلا بھٹک گیا تھا۔میں نے اپ کے ساتھ جو بھی کیا بہت برا کیا۔جس کے لیے معافی چھوٹا لفظ ہے لیکن میں پھر بھی آپ سے معافی چاہتا ہوں مجھے امید ہے آپ مجھے معاف کر دیں گی پلیز۔"

عائشہ اسکی بات پر ہائپر ہو گئی اور بولی۔

"معافی ہنہہ جانتے ہیں کتنا چھوٹا لفظ ہے۔اتنی اذیت کے بعد صرف آپ کے ایک لفظ معافی سے میں سب بھول جاؤں جانتے ہیں میں نے اپنے اللہ سے کتنے شکوے کیے تھے۔جانتے ہیں میں اللہ سے کیا کیا کہتی رہی۔"

"میں آپ کی وجہ سے اپنے اللہ کو ناراض کر بیٹھی۔آپ کی معافی سے میرا دکھ میرا درد کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔"غصے سے بولتے بولتے آخر میں اسکی آواز رندھ گئی۔

"عائشہ اللہ اپنے بندوں سے ناراض نہیں ہوتا۔ وہ تم سے بھی ناراض نہیں ہے۔" حمزہ نے اسے تسلی دینا چاہی۔

"آپ چلے جائیں پلیز چلے جائیں مجھے ابھی کچھ نہیں سننا پلیز۔" اسنے ہاتھ جوڑ دیے حمزہ کو سمجھ نہ آئی وہ کیا کرے تو خاموشی سے پلٹ گیا۔

اسکا اٹھتا ہوا ایک ایک قدم عائشہ کے دل کا بوجھ بڑھا گیا۔

اسکے جاتے ہی وہ وہ پھوٹ کر رودی۔ اور بولی۔

"اللہ میں نے در در کی خاک چھانی صرف اس ایک شخص کی چاہت میں میرا وجود خاک ہو گیا۔ پر سکون پھر بھی میسر نہیں آیا بھلا سکون کیسے میسر آتا آپ ہی تو کہتے ہیں نا محرم محبتوں سے بچو یہ سوائے ذلت ورسوائی کے کچھ بھی نہیں دیتیں میں نے آپ کا حکم ٹھکرایا تھا۔ جان بوجھ کے نہیں پر جیسے بھی سہی پہلو تہی تو کی نا تو سزا بھی تو ملنی تھی پر اللہ تو تو بڑا رحیم ہے نہ معاف کرنے والا ہے مجھے معاف کر دے۔ میرے دل سے اس شخص کی محبت کو نکال دے یا اس شخص کو میرا مقدر بنا دے پچھلے تین سال سے میں اس کی اسیر ہوں تین سال کم نہیں ہوتے کسی کو چاہنے کے لیے چند لمحوں کا ساتھ نہیں بھولتا میں نے تو تین سال تک کسی دیوتا کی طرح اس شخص کی پوجا کی تھی۔ میں کیسے بھول

جاؤں میں نے اس سے محبت کے اصول سیکھے تھے، جینے کا سلیقہ سیکھا تھا، مجھے کیا خبر تھی کہ وہ مجھے محبت کے اس مقام میں لا کر چھوڑ دے گا۔ جہاں نہ میں پیچھے مڑ سکوں گی اور نہ کوئی آگے کی منزل کا تعین کر سکوں گی میرا دل آج بھی اس کے ہر جائی ہونے کا یقین نہیں کر تا، مجھے مجھے لگتا ہے وہ ابھی کہیں سے لوٹ آئے گا اور کہے گا چل میری جھلی میں تو بس مزاق کر رہا تھا بھلا میں تمھارے بغیر کیسے جی سکتا ہوں۔"

روتے روتے اسکی ہچکی بندھ گئی تھی۔

"کاش حمزہ میں تم سے سوال و جواب کر سکتی۔ پر یقینا تمھارے پاس میرے کسی سوال کا جواب نہیں ہو گا۔ ہو بھی کیسے سکتا ہے جو جرم تم نے کیا ہے نہ اس کے بعد کسی سوال و جواب کی گنجائش ہی نہیں بچتی۔ تم نے میرا نہیں اللہ کی تخلیق کا مذاق اڑایا ہے۔ پر میں بھی کیا کروں میرا دل تمھیں قصوروار ماننے کو تیار ہی نہیں یہاں بھی مجھے اپنی ہی غلطی نظر آتی ہے کہ اگر آپ نے مجھ سے محبت کے دعوے کیے بھی تھے تو میں نے کیوں آپ پر یقین کیا میں بھی کیوں ان راستوں کی مسافر بنی جن کے آخر میں مجھے دکھ اذیت ذلت و رسوائی کے اندھیروں کے سوا کچھ بھی نہ ملا میرا پور پور زخمی ہو گیا۔"

"آبلہ پائی کے اس سفر میں میں نے اذیت کے کون کون سے دریا پار کیے تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے تم تو مجھے اس راستے پہ لگا کر تنہا چھوڑ گئے تمھیں کیا خبر تمھاری چاہ میں میں کس کس حد سے گزری میرے ایک لمحے کی اذیت کا قرض ہے تم پر لیکن اسے میرے محبت کی انتہا کہیے یا میرا پاگل پن میں تمھیں اپنے تمام قرض معاف کرنے کو تیار ہوں۔ میرا دل آج بھی تمھاری طرف کھیچتا ہے۔ پتا نہیں یہ محبت کا کونسا رنگ ہے جو اترنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ میں آج بھی تمھارا انتظار کر رہی تھی اس امید پہ کے شاید تم لوٹ آو یہ جانتے ہوئے بھی کہ جانے والے لوٹ کر نہیں آتے۔" اس وقت وہ مینٹلی بالکل بھی حاضر نہیں تھی۔ بے ربط سی باتیں خود کلامیاں اسے ایسے بیٹھے دیکھ کر کوئی بھی پاگل کہہ سکتا تھا۔

کسی سوچ کے آتے ہی وہ چونکی۔

"لیکن یہ میں نے کیا کیا؟ جب وہ لوٹ آئے ہیں تو میں کیوں معاف نہ کر سکی کیوں اپنا دل بڑا نہ کر سکی۔

یہ میں نے کیا کر دیا جو بھی تھا۔

غلط میں تھی۔

انکا واقعی قصور نہیں تھا۔

میں نے آنکھوں کی زبان کو سمجھنے کا دعوٰی کیا میں غلط بھی تو ہو سکتی ہوں زبانی کلامی تو کبھی بھی انھوں نے کچھ نہیں کہا تھا۔

"یااللہ! مجھے لگتا ہے میں پاگل ہو گئی ہوں۔" سر ہتھیلیوں میں گرا کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

☆☆☆☆☆

جب انھوں نے کبھی کوئی عہد وپیماں نہیں کیے کبھی اظہار نہیں کیا تین سال ہماری منگنی رہی بات کرنا تو دور کبھی آنکھ اٹھا کر دیکھا تک نہیں تو پھر یہ سب واقعی میرا دماغی خلل ہے ہانیہ ٹھیک کہتی ہے میں واقعی خود ترسی کا شکار ہوں خود سے ہی سب کچھ امیجن کر لیا۔

"محبت میں نے کی تھی لیکن کبھی اظہار بھی تو نہیں کیا۔نور ار یج نساء آخر کس کس نے نہیں سمجھایا تھا لیکن میں سمجھی ہی نہیں۔اب یہ اس شخص کی بڑائی ہے جو بغیر کسی غلطی کے معافی مانگ رہا ہے۔

میں معاف کر دوں گی ہاں مجھے معاف کر دینا چاہیے۔"

یہ سوچ کر وہ مطمئن ہو گئی۔

صبح یونیورسٹی جا کر بھی شش وپنج کا شکار رہی آخر کرے بھی تو کیا کرے۔

کچھ بھی تھا لیکن حمزہ سے بات کرنے کی ہمت اسے کبھی نہیں ہوئی تھی۔

وہ شخص اسے جان سے پیارا تھا لیکن اس کے سامنے ہمیشہ اسکی بولتی بند ہو جاتی تھی۔

اسی طرح غائب دماغی سے کلاسز لیتی رہی ڈیلی چار کلاسز ہوتی تھیں ایک ایک گھنٹے کی تین کلاسز کے بعد ایک گھنٹہ وہ لوگ فری ہوتے تھے۔

اور خدا جھوٹ نہ بلوائے وہ ایک گھنٹہ انکا کیفے ہی گزرتا تھا۔

چھ لوگوں پر مشتمل انکا فرینڈ کلب نہ صرف اپنے ڈیپارٹمنٹ بلکہ یونیورسٹی بھر میں مشہور تھا۔

اریج، عائشہ، آمنہ، ہانیہ، سائرہ، حبہ جہاں سے یہ لوگ گزرتے آس پاس والے پناہیں مانگتے۔

عائشہ اندر سے جتنی دکھی اور تنہا تھی لیکن یونیورسٹی اور فرینڈز میں بالکل الگ روپ تھا اسکا زندہ دل اور شرارتی۔

ہانیہ آفت کی پرکالا لڑکیاں تو لڑکیاں لڑکے بھی اسکے شر سے محفوظ نہیں تھے۔

بیچاروں پر کمنٹس پاس کرنا اسکا محبوب مشغلہ تھا۔

آمنہ من موجی بدتمیز سی اچھی اتنی کہ نہ صرف فرینڈز کلب بلکہ سینئر جونیئرز کی اسائنمٹ بنانا بھی اسکا محبوب مشغلہ لیکن بدتمیزی پر آئے تو کسی کو اپنی سیٹ پر بھی نہیں بیٹھنے دیتی خواہ وہ فرینڈ کلب کا ہی کوئی بندہ کیوں نہ ہو۔

اسکے بعد اریج حبہ اور سائرہ تھوڑی بورنگ شخصیات حبہ اور سائرہ کا محبوب مشغلہ صرف اور صرف کھانا اور بے تحاشہ کھانا اور آمنہ شدید سنگل لوگوں کے افیرز کا پتہ لگوانا انکا بائیوڈیٹا نکالنا اور پھر فرینڈز کلب کو بتا کر انکا جینا حرام کرنا۔

خیر چھ لوگوں پر مشتمل یہ قافلہ تیسری کلاس کے بعد ہمیشہ کی طرح کیفے کی جانب گامزن تھا کہ ہانیہ چلا کر بولی۔

"موٹی۔۔!

موٹی وہ دیکھ اتنا پیارا لڑکا ہائے اللہ جی آج سے پہلے تو کبھی نظر نہیں آیا یار ادھر۔"

سب اسکی طرف متوجہ ہو گئیں۔

اریج فورا بولی "یار موٹی یہ تو تمھارے حمزہ کی طرح لگ رہا ہے۔"

اسکے کہنے پر عائشہ فورا گڑبڑائی۔

"بے شرموشرم کرو سو دفعہ بولا ہے میرا کوئی حمزہ نہیں کیوں مجھے ذلیل کروانے پر تلے ہو تم لوگ۔"

"اے جا اے موٹی ڈرامے نہ لگایا کرو ایک دفعہ دیکھ تو لے ہائے کتنا پیارا ہے اسکے بال دیکھو کاش انجینئر کے بھی ایسے ہی ہوتے تو کتنا مزہ آتا۔" ہانیہ نے ٹھنڈی آہ بھری۔

)انجینئر مس ہانیہ کے فیانسی ہیں جو کہ اسی یونیورسٹی سے سول انجینئرنگ کر رہے ہیں اور پڑوسی ڈیپارٹمنٹ انھیں کا ہے۔(

"کیا یار ہانیہ تم بھی سب پر کمنٹ پاس کرتی رہتی ہو، دفعہ کرو جو بھی ہے چلو مجھے بھوک لگی ہے۔" عائشہ جھنجھلا کر بولی۔

"مرو موٹی کھانے کے علاوہ کوئی کام نہیں تمھارا۔" ہانیہ چڑ کر بولی۔

"ویسے ہانیہ اب تو عائشہ اسمارٹ ہوگئی ہے تم اب کیوں موٹی کہتی ہو۔" سائرہ نے الجھ کر سوال کیا۔

"یار مجھے عادت پڑی ہوئی ہے مزہ ہی نہیں آتا۔" اسی طرح ادھر ادھر کی باتوں اور کیفے سے فارغ ہو کر وہ کلاس سے دس منٹ لیٹ ہو چکی تھیں۔

ہانیہ کلاس کی جی آر بھی تھی۔

اور آج ان کے ٹیچر چینج ہوئے تھے اسلامک اسٹڈی کے اسکا کلاس میں ہونا بہت ضروری تھا۔

سائرہ پریشانی سے بولی "یار آج تو کلاس چھوڑ بھی نہیں سکتے اور دس منٹ لیٹ ہو گئے ہیں پتا نہیں نئے سر کیسے ہونگے۔"

"اور اگر انسلٹ کی تو پھر کیا کریں گے۔" عائشہ بھی پریشانی سے بولی۔

اریج اسکی بات پر فوراً کھلائی "کونسا پہلی دفعہ ہو گی چلو چلتے ہیں دیکھا جائے گا۔"

کلاس کے باہر پہنچ کر ساری ایک دوسرے کو آگے دھکیلنے لگیں۔

پہلے تم جاؤ پہلے تم جاؤ اور ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی کے نام فال سائرہ کے نام نکلا اور وہ دروازہ کھول کر کلاس میں آنے کی اجازت مانگنے لگی۔

"سر مئے آئے کم ان۔" ڈرتے ڈرتے اسنے اجازت مانگی۔

"یس کم ان!" سب کو باری باری دیکھتے اسنے سر نے سر ہلا کر اجازت دے دی۔

لیکن یہ کیا عائشہ سر کو دیکھ کر سکتے میں چلی گئی۔ اور بے یقینی سے پلکیں جھپک کر دیکھنے لگی۔

ساری کلاس اسکی جانب متوجہ ہو گئی۔

"عائشہ آ کر بیٹھ بھی جاؤ سر نے اجازت دے دی ہے۔" اسے بت بنے کھڑا دیکھ کر ارتج چبا کر بولی۔

وہ فوراً چونک گئی اور شرمندہ سے سر جھکا کر سوری بول کر ہانیہ کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔

ہانیہ اسکے آتے ہی فوراً بولی "موٹی یہ وہی ہے جسکی ہم باہر بات کر رہے تھے۔ دیکھو کتنے پیارے ہیں ہائے پر یہ تو ہمارے سر ہیں۔ فلرٹ بھی نہیں کر سکتے۔" ہانیہ کے اپنے ہی رونے تھے پر وہ مینٹلی حاضر ہوتی تو جواب دیتی۔

حمزہ انکا اسلامک اسٹڈیز کا نیو ٹیچر تھا یہ دیکھ کر عائشہ کو ابھی تک یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

"ہانیہ!" عائشہ آہستگی سے بولی ہانیہ بامشکل اسکی بات سن پائی۔

"کیا ہے؟" ہانیہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"ہانیہ یہ وہی ہیں۔"

"کون؟"ہانیہ بے دھیانی سے بولی وہ اس وقت پوری طرح لیکچر میں الجھی ہوئی تھی۔

"محترمہ آپ دونوں کی ڈسکشن ختم ہوگئی ہو تو ہم پڑھنا شروع کریں۔ نہیں تو کوئی مسلہ نہیں زیادہ اہم گفت وشنید ہے تو میں کل آجاتا ہوں۔"حمزہ انکو پوائنٹ آؤٹ کر کے بولا۔

نو نو سر سوری آپ پڑھائیں۔

دونوں شرمندہ ہوگئیں۔

کیسے حمزہ کو دیکھتے گھنٹہ گزرا عائشہ کو پتا ہی نہ چلا۔

کلاس ختم ہوتے ہی وہ لوگ اٹھ کر اپنی من پسند جگہ یعنی کیفے چلے گئے وہاں سے کھانے پینے کی چیزیں لے کر آکر ڈیپارٹمنٹ کے باہر بیٹھ کر حمزہ سر کو ڈسکس کرنے لگیں۔

عائشہ چپ چپ تھی سائرہ اسکی خاموشی نوٹ کر کے بولی "عائشہ کیا بات ہے یار تم کیوں چپ چپ ہو۔

جب سے سر حمزہ کو دیکھا ہے سکتے میں ہو میں نوٹ کر رہی تھی صبح سے تم کچھ خاموش سی لگ رہی تھی پر اب کیا ہوا بالکل ہی کومے میں چلی گئی ہو۔"

عائشہ اس کی بات پر مسکرا دی۔

"کچھ بھی تو نہیں ہوا۔ تم لوگوں کا وہم ہے۔" زبردستی کی مسکراہٹ سجاتے اسنے سب نارمل ہے کا اشارہ دینا چاہا لیکن مقابل بھی اسی کی سہیلیاں تھیں۔

"ایویں ڈرامے نہ کیا کرو عائشہ چپ کر کے بتاؤ کیا ہوا ہے۔" آمنہ اصل بات جاننے کے لیے بضد تھی۔

اس پر عائشہ نے رات حمزہ سے ہونے والی ساری گفتگو انھیں بتادی۔

اور یہ بھی کہ سر حمزہ ہی اصل میں حمزہ ہیں۔

"پر تم تو کہتی تھی وہ وکیل ہیں تو یہ اسلامک اسٹڈیز کیسے پڑھا سکتے۔" آمنہ دور کی کوڑی لائی۔

"ہاں یار وہ وکیل ہیں میں خود حیران ہوں یہ یہاں کیسے۔" عائشہ خود بھی حیران تھی۔

"چلو چھوڑو یار میری مانو تو تم ہاں کر دو حمزہ سر کو اچھے خاصے پیارے ہیں۔ یہ نہ ہو کوئی اور لڑکی لائنیں مارنا شروع کر دے۔

اور یار انکی تو غلطی بھی نہیں ہے تم واقعی جب موٹی تھی عجیب سی تھی یہ تو اب ہماری صحبت کا اثر ہے جو تم پیاری ہو گئی ہو۔"

ہانیہ آنکھ دبا کر شرارت سے بولی۔

سب قہقہے لگا کر ہنس دیے تو وہ بھی انکی شرارت بھانپتے ہوئے مسکرا دی۔

"اچھا ہم لوگ چلتے ہیں ہماری سٹی بس آ گئی ہے۔" سائرہ اور حبہ کھڑے ہوتے ہوئے بولیں یہ دونوں ہاسٹل میں رہتی تھیں اور روم میٹس بھی تھیں۔

ہاں میں بھی جا رہی ہوں آنٹی کے گھر عبداللہ کی کلاس ختم ہو گئی ہے۔ آمنہ بھی جانے کے لیے کھڑی ہو گئی۔

"ہاں ہاں جاؤ ہم موٹی کے پاس ہی ہیں۔" اریج نے تسلی دی۔

ان کے جانے کے بعد ہانیہ سنجیدگی سے بولی یار تم ہاں کر دو اور معاف کر دو جو بھی ہوا اسر کی کوئی غلطی نہیں۔ ہر کسی کو من پسند لائف پارٹنر چننے کا حق ہے۔

ہاں انھیں منگنی نہیں کرنی چاہیے تھی اگر شادی نہیں کرنی تھی۔ اگر کر ہی لی تھی تو پھر توڑنی نہیں چاہیے تھی۔ پر یار غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے نا۔

اور دوسرا تم بھی تو انکے بغیر نہیں رہ سکتی یہ بھی تو سوچو۔"

کافی دیر ہانیہ اسکو سمجھاتی رہی۔

پھر تین بجے وہ اور اریج بھی گھر چلی گئیں۔

چار بجے عائشہ کی گاڑی بھی آجاتی تھی۔ تب تک وہ ادھر ہی بیٹھ کر ویٹ کرتی تھی۔

ہانیہ اور اریج ایک سے تین بجے تک روز اسکے پاس بیٹھی رہتی تھیں اسکی تنہائی کے خیال سے۔

انکے جانے کے بعد وہ بھی موبائل میں مصروف ہو گئی۔

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اسے اپنے پاس کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔

اسنے سر اٹھا کر دیکھا تو سامنے حمزہ کھڑا تھا۔
سے سامنے دیکھ کر عائشہ ہڑبڑا کر کھڑی ہو گئی۔

" سر آپ یہاں۔" بے ساختہ اسکی زبان پھسلی۔

حمزہ دلچسپی سے اسکی ہڑبڑاہٹ دیکھتے ہوئے بولا" کیوں آپکی زندگی کی طرح یہاں بھی میرا داخلہ ممنوع ہے۔"

عائشہ ناراضگی سے اسکی طرف دیکھ کر بولی "داخلہ میں نے نہیں آپ نے خود بند کیا ہے۔"

"ہاں تو غلطی ہو گئی تھی اب کھولنا بھی تو چاہتا ہوں۔" اس نے بھی دوبدو جواب دیا۔

"کچھ دروازے ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات ہم پلٹنے میں بہت دیر کر دیتے ہیں کہ کھولنے والے ہاتھ ہی نہیں رہتے یا کوئی دوسرا وہ دروازے کھول کر اندر داخل ہو جاتا ہے۔"

عائشہ برجستگی سے بولی۔

"لیکن میں اچھے سے جانتا ہوں میں نہ تو دیر سے پلٹا ہوں اور نہ ہی ان دروازوں سے اندر کوئی اور گیا ہے۔

یہ دروازے صرف حمزہ علی کے لیے ہیں اور ان سے داخل ہونے کا حق بھی صرف حمزہ علی کے پاس ہے اسکے سوا کوئی نہیں جا سکتا۔"

وہ ساحر تھا آہستہ آہستہ اسکو اپنے سحر میں جکڑ رہا تھا۔

ایسے ہی تو نہیں اسنے دل ہارا تھا۔

حمزہ کی شخصیت ہی ایسی تھی کہ سامنے والا سحر زدہ رہ جاتا۔

وہ بولتا تو ساتھ اسکی آنکھیں بھی کلام کرتی تھی اسکے لفظ مقابل کو جکڑ لیتے تھے۔ کہا جائے کہ وہ جادوگر تھا تو غلط نہیں ہو گا۔

عائشہ فوراً اسکے سحر سے نکلتے ہوئے تنک کر بولی "خوش فہمی ہے آپکی۔"

حمزہ اسکے انداز پر مسکرا دیا۔

"اچھا یہی بات میری آنکھوں میں دیکھ کر کہو تو مانوں۔" وہ شرارت پر آمادہ تھا۔

"نہ مانیں مجھے فرق نہیں پڑتا۔" وہ بے نیازی کی انتہا پر تھی۔

"اچھا واقعی تمھیں فرق نہیں پڑتا۔" حمزہ مسکراہٹ دبا کر بولا۔

"ہاں نہیں پڑتا جایئے آپ یہاں سے۔" وہ اسکارف ٹھیک کرتے ہوئے بولی۔

"نہیں جاتا کیا کر لو گی۔" گویا اس نے چیلنج کیا۔

"نہ جائیں میں ہی چلی جاتی ہوں۔" عائشہ فوراً بولی۔

"لیکن میں تمھیں نہیں جانے دوں گا۔" وہ مزے سے بولا۔

آ"پ ہوتے کون ہیں مجھے روکنے والے۔اب کی بار وہ تپ کر بولی۔

"ہاں تو تمھیں روکنے کا حق لینے کی اجازت ہی تو چاہ رہا ہوں تم ہو کہ دینے کو تیار ہی نہیں۔"اس نے مزے سے اسے لاجواب کیا۔

"آپ۔۔۔۔ آپ چپ کریں۔"عائشہ کو اس سے ڈھیروں شرم آئی وہ تو شکر ہے کہ حجاب میں تھی تو حمزہ نے زیادہ نوٹ نہیں کیا۔یہ بھی اسکی غلط فہمی تھی۔

حمزہ اسکی لرزتی آنکھوں سے ہی دل کا راز جان گیا تھا۔

جبھی بولا

"سنو عائشہ" !

"مجھے کچھ نہیں سننا۔"وہ جلدی سے اسکی بات کاٹ گئی۔

"سننا تو تمھیں پڑے گا۔" کم از کم آج وہ اپنی سنائے بغیر نہیں جانے والا تھا۔

"میں نے کہانا حمزہ مجھے اپ کی کوئی بات نہیں سننی ہٹیے میرے راستے سے۔" اب کی بار وہ زرہ درشتگی سے بولی۔

"نہ ہٹوں تو؟" وہ سلگ کر بولا۔

"مجھے ہٹانا آتا ہے میں بابا سے شکایت کروں گی۔" عائشہ نے اسے ڈرانا چاہا۔

"میں تمھیں اغوا کروالوں گا۔" اسکی شان بے نیازی عروج پر تھی۔

عائشہ حیرت سے اس کی دیدہ دلیری دیکھتی رہ گئی۔

"حمزہ آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں۔" وہ حیرانگی سے آنکھیں پھیلا کر بولی۔

"تم مجھے مجبور کر رہی ہو، حالانکہ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔" وہ بھی لاپرواہی سے کندھے اچکا کر بولا۔

" آپ کو شرم نہیں آتی یہ یونیورسٹی ہے آپ کا لندن نہیں کہ جو مرضی کرتے پھریں۔" عائشہ نے اسے شرم دلانا چاہی۔

" تمھیں واقعی نہیں پتا یا بن رہی ہو محترمہ یہ بھی منی لندن ہے۔ کیا فرق پڑتا ہے میرا لندن ہو یا تمھارا ایک ہی بات ہے۔" آج وہ اسے حیران کرنے پر تلا تھا۔

" آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟" وہ بے چارگی سے بولی۔

حمزہ دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے بولا

"کیا کر رہا ہوں۔"

عائشہ اس کے دیکھنے کے انداز پر تپ کر بولی" آپ مجھے لفنگے شوہروں کی طرح گھور رہے ہیں۔"

اسکی بات پر حمزہ کا قہقہ بے ساختہ تھا۔

"تو تم ہی کیوں نہیں اچھی بیوی بن جاتی۔" حمزہ آنکھ دبا کر بولا۔

اسکے لوفرانہ انداز پر عائشہ کا منہ کھل گیا۔

"منہ بند کرو مکھی چلی جائے گی۔" حمزہ نے ایک دفعہ پھر اسے چڑایا۔

"ہاں تو میرا منہ ہے مکھی جائے یا کاکروچ آپکو کیا مسلہ ہے۔" وہ اچھی خاصی تپ گئی تھی۔

" بھئی تمھاری ساری تکلیفیں میری ہی تو ہیں۔" آج وہ اسے حیران کرنے پہ تلا تھا۔

"آپ نے چھچھورپنے میں پی ایچ ڈی کہاں سے کی تھی۔" عائشہ بے چارگی سے بولی۔

"ویری نائس، ویری گڈ کوئسچن، وہ دراصل کیا ہے کہ میں پہلے پہل تو وکیل تھا پھر ایک پاگل سے ٹکرا گیا وہ دن اور آج کا دن اس پاگل کو دیکھ کر میرے اندر کا کیڑا جاگ جاتا ہے۔ جو مجھے ایسی حرکتیں کرنے پہ مجبور کرتا ہے۔" حمزہ مسکراہٹ دبا کر بولا۔

عائشہ اس کی مسکراہٹ میں کھو کر رہ گئی۔

"اے میڈم کدھر کھو گئی۔" حمزہ اسکے سامنے ہاتھ ہلا کر بولا۔

"آہاں! کہیں نہیں۔" وہ ہڑبڑا کر بولی۔

وہ کندھے اچکا کر رہ گیا۔

"بائی داوے تمھاری سہیلیاں نہیں نظر آرہی کہاں ہیں۔"

"آپ سے مطلب جہاں مرضی ہوں۔" وہ تنک کر بولی۔

"ویسے اچھی بات ہے نہیں ہیں ورنہ تمھیں ان کے سوا کچھ دکھتا ہی نہیں۔ اتنے دنوں سے میں نوٹ کر رہا تھا۔ وہ تمھیں اکیلا چھوڑتی ہی نہیں۔"

"جی نہیں مجھے سب دکھتا ہے میں دیکھنا ہی نہیں چاہتی۔" وہ شان بے نیازی سے بولی۔

"ایک منٹ آپ نے کیا کہا اتنے دنوں سے جبکہ آج آپکا پہلا دن ہے یونیورسٹی میں۔ تو اتنے دنوں سے کیسے۔"

عائشہ چونک کر بولی۔

"ڈیئر چھوڑو یہ سب تمھارے مطلب کی باتیں نہیں۔"

یہ تو وہی جانتا تھا کتنے پاپڑ بیل کر کتنی منتیں کر کر وہ بی ایس کیمسٹری والوں کو اسلامک اسٹڈی پڑھانے آیا تھا۔

اسے پہلے ہی پتا تھا عائشہ آسانی سے نہیں مانے گی۔

بڑی مشکل سے صرف اس شرط پر اسے اجازت ملی تھی کہ صرف دس دن وہ پڑھائے گا اور یہ بھی صرف اسکے تعلقات کی وجہ سے اجازت ملی تھی۔

عائشہ ایک طرف چپ کر کے کھڑی ہو گئی۔

حمزہ پھر سے قریب جا کر بولا۔

"اچھا عائشہ ایک بات تو بتاؤ۔" حمزہ ابرو اچکا کر بولا۔

"پوچھیئے!" عائشہ تیکھے لہجے میں بولی۔

"ہاں تو وہ میں کہہ رہا تھا کہ کتنی محبت کرتی ہو مجھ سے۔" اسنے رازداری سے قریب ہوتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاہاہاہا ویسے حمزہ حد ہوتی ہے خوش فہمی کی بھی محبت اور وہ بھی آپ سے۔" عائشہ کا انداز سراسر مذاق اڑانے والے تھا۔

"کیوں کیوں میرے سینگ نکلے ہوئے ہیں یا دم جو مجھ سے محبت نہیں ہو سکتی۔" حمزہ تڑپ کے بولا۔

"ہائے کاش آپکے سینگ ہوتے ہائے اللہ جی کتنے پیارے لگتے آپ میں دونوں سینگوں سے پکڑ کر آپ کو گول گول گھماتی۔ اور پھر سیدھا اٹھا کر یونی سے باہر پھینکتی۔"

اف اللہ کتنا مزہ آتا عائشہ مزے سے آنکھیں میچ کر بولی جبکہ حمزہ گویا سکتے میں چلا گیا ہو۔

"عائشہ تم پاگل تو نہیں ہو۔" وہ آہستگی سے بولا۔

"خبر دار جو مجھے پاگل بولا پاگل ہونگے آپ پاگل ہونگی آپکی وہ گوری میمیں جن کے ساتھ آپ گھومتے تھے۔" وہ ناراضگی سے بولی۔

جبکہ وہ اسکی جیلسی پہ قہقہ لگا کر ہنس دیا۔

"اچھا تو اب آپ جیلس بھی ہونگی۔" حمزہ شرارت سے بولا۔

"آہ توبہ میں کیوں جیلس ہونے لگی۔ پتا نہیں کیسے آپ اتنا فضول سوچ لیتے ہیں۔" وہ حیرت سے بولی۔

"آپ مجھے فضول کہہ رہی ہیں۔" حمزہ بات سے بات نکالے جا رہا تھا۔

"جی نہیں آپکو نہیں آپکی سوچ کو۔" وہ تڑخی۔

"ایک ہی بات ہے۔" وہ تیزی سے بولا۔

"جی نہیں ایک ہی بات نہیں ہے حمزہ۔" وہ منہ بنا کر بولی۔

حمزہ ایک دفعہ پھر سنجیدگی سے بولا

"اچھا میری بات سنو۔ اب یہ نہ کہنا نہیں سننی پلیز۔" اسے منہ کھولتا دیکھ کر وہ تیزی سے بولا۔

"اف حمزہ آپ کب سے میرا دماغ کھائے جارہے ہیں اب بس بھی کر دیں۔" عائشہ ماتھے پر ہاتھ مار کر بولی۔

"محترمہ فار کائنڈ یور انفارمیشن میں حلال چیزیں کھاتا ہوں۔ اور ہاں مجھے بھوسا بالکل بھی نہیں پسند۔" حمزہ نے منہ بنا کر اسے ٹوکا۔

"آپ کے کہنے کا مطلب ہے میرے دماغ میں بھوسا بھرا ہے۔" عائشہ اس کی بات پر چلا اٹھی۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں جب تمھیں خود ہی لگتا ہے تو۔" حمزہ کمال مہربانی سے بولا۔"

"آپ! کیوں میرے ہاتھوں مرنا چاہتے ہیں۔"

"مر تو چکا ہوں تم پہ اب اور کیا چاہتی ہو وہ آنکھ دبا کر بولا۔" عائشہ شاکڈ رہ گئی۔

"آپ اتنے چھچھورے پہلے تو نہیں تھے۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"ہاں پہلے تم جو نہیں تھی دراصل تمھیں دیکھ کر میری روح جاگ جاتی ہے۔" وہ شاعرانہ انداز میں بولا۔

"ہاں میراثیوں والی روح۔" بے ساختہ عائشہ کی زبان پھسلی۔

"جو بھی ہے جیسی بھی ہے اب تمھاری ہے۔" حمزہ فورا بولا۔

"مجھے نہیں چاہیے۔" وہ کندھے اچکا کر بولی۔

"واقعی نہیں چاہیے عائشہ۔" حمزہ سنجیدگی سے بولا۔

اسکے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ وہ ایک دم چپ ہو گئی۔

"بولو عائشہ جواب دو۔ چپ کیوں ہو گئی۔" عائشہ ایک دم اسکی سنجیدگی سے خوفزدہ ہو گئی۔

"مجھے کوئی جواب نہیں دینا آپکو۔" وہ نظریں چرا کر بولی۔

"ایسے کیوں کر رہی ہو میں مانتا ہوں میں نے غلطی کی لیکن مجھے اب احساس ہو گیا ہے تم واقعی بہت اچھی لڑکی ہو۔" اس نے اپنی صفائی دینا چاہی۔

"ہنہہ طنزیہ مسکراہٹ سجا کر بولی بہت جلدی پتا چل گیا آپکو ویسے بھی میں جتنی بھی اچھی ہوں آپکے ساتھ سوٹ نہیں کرونگی نہ ہی آپ کے ساتھ چل سکتی ہوں۔ میں آپکے قابل نہیں۔" عائشہ نے اسی کی کہی ہوئی بات اسی کو لوٹائی۔

"عائشہ پلیز میری باتیں مجھے ہی مت لوٹاؤ میں معافی مانگ جو رہا ہوں۔" وہ بے بسی سے بولا۔

"حمزہ آج میں اسمارٹ ہوگئی ہوں تو شاید آپکو آپکے قابل لگنے لگی ہوں لیکن اگر میں پھر پہلے جیسی ہوگئی تو۔۔۔۔؟ یا خدانخواستہ کوئی اور حادثہ میرے ساتھ ہو گیا میں آپکو آپکے قابل نہ لگی تو کیا آپ پھر مجھے چھوڑ دیں گے۔"

عائشہ کے سوالوں کے اسکے پاس کوئی جواب نہیں تھے۔ماضی میں جس طرح کا رویہ اسنے رکھا تھا اسکے بعد عائشہ کے یہ تمام سوال بجا تھے۔

تھوڑی دیر خاموش رہ کر وہ دھیرے سے بولا

"عائشہ ایسا کیا کروں کہ تم مجھے معاف کر کہ مجھ پر بھروسہ کرلو۔"وہ بے بسی کی انتہا پر تھا۔

عائشہ کے دل کو ایک دم سے کچھ ہوا۔

"حمزہ جانتے ہیں جن سے محبت کی جاتی ہے نا انکی غلطیاں بھی غلطیاں نہیں لگتیں۔ جو بھی ہوا اس میں آپکی زیادہ غلطی نہیں میں ہی شاید اوور ریکٹ کر گئی تھی۔ پہلے دن جب آپکو دیکھا تھا تب سے آپکی اسیر تھی برداشت نہیں کر پائی تھی آپکی باتیں۔

آپ معافی کی بات کرتے ہیں میں نے کبھی آپکو برا جانا ہی نہیں نہ ہی آپکی کوئی غلطی مجھے نظر آئی اور ویسے بھی محبوب کو تو سو قتل بھی معاف ہوتے ہیں۔" آخر میں وہ شرارت سے بولی۔ چند ثانیے سانس لینے کو رکی اور پھر وہیں سے سلسلہ کلام جوڑا۔

"اور ویسے بھی اب آپ میرے ٹیچر بھی ہیں تو ٹیچر کا احترام مجھ پر فرض ہے۔ جائیے معاف کیا۔ کیا یاد کریں گے آپ بھی۔" آخر میں وہ فراخدلی سے بولی۔

"تو پھر میں رشتہ پکا سمجھوں۔" حمزہ سرشار سا مسکراہٹ دبا کر بولا۔

"مجھے نہیں پتا میں ماما بابا کی پسند سے شادی کروں گی معاف کرنے کا یہ مطلب تھوڑا ہی ہے کہ میں آپ سے اب شادی ہی کرلوں۔" اسے ڈھیروں شرم آئی جبھی رخ موڑ کر بمشکل جواب دیا۔

"ہاں تو اور کیا مطلب ہے یار مان جاؤ نا دیکھو تمھاری خاطر وکالت چھوڑ کر خرانٹ پروفیسر بن بیٹھا ہوں۔" ہاں تو میں نے کہا تھا شوق سے بنے ہیں اب بھگتیں۔

اسکے بچگانہ انداز پر حمزہ ہنس دیا۔

"تو محترمہ آپکو خوشی نہیں ہوئی روزانہ میری حسین شکل دیکھنے کو ملے گی۔ ویسے اگر آپ کو نہیں پسند تو میں چھوڑ دیتا ہوں یہ جاب۔" مسکراہٹ دبا کر وہ سنجیدگی سے بولا۔

"ارے نہیں نہیں میں نے ایسا کب کہا آپکو۔" وہ تیزی سے بولی۔

"اچھا پھر کیا کہا ہے۔" اسے نگاہوں کے حصار میں لیتے حمزہ نے سوال کیا۔

"مجھے نہیں پتا میں جا رہی ہوں میری گاڑی آگئی ہے۔" جب کوئی جواب نہ بن پڑا تو اسنے وہاں سے جانے میں ہی عافیت جانی۔

"اچھا جاو جاؤ لیکن یاد رکھنا آج سے تم صرف میری ہو میں ماما کو بھیجوں گا آج ہی رات کو۔ خاموشی سے ہاں کر دینا۔" اسکے انداز پہ حمزہ مسکرا دیا۔

مم مجھے نہیں پتا اللہ حافظ۔" وہ کہہ کر چلی گئی۔

****

چار سال بعد

"بابا ماما گندی ہیں۔" زروشہ اپنے ننھے ننھے بازو باپ کے گلے میں ڈال کر لاڈ سے بولی۔

"جی بابا کی جان آپ ٹھیک کہتی ہیں ماما واقعی بہت گندی ہیں۔" حمزہ نے سامنے بیٹھی عائشہ کو کن اکھیوں سے دیکھتے زروشہ کی حمایت کی۔

باپ کی حمایت پا کر زروشہ کھکھلا اٹھی۔

"ہاں آپ باپ بیٹی کو میں کبھی اچھی لگ سکتی ہوں۔ اب اپنے بابا کے پاس ہی رہنا میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں۔" عائشہ ناراضگی سے بولی۔

" جایئے بیگم صاحبہ پانچ سال ہو گئے شادی کو ابھی تک آپکو ہم پہ یقین نا آیا۔" حمزہ مصنوعی آنسوں پونچھتے ہوئے بولا۔

"ہاں تو آپ نے کونسا کبھی یقین دلوایا ہے۔" عائشہ اسکے تمام اندازوں سے بخوبی واقف تھی۔

"یہ مجھ معصوم پر الزام ہے اور اس الزام سے بری الذمہ ہونا چاہتا ہوں۔میں آپکو یقین دلوانے کو تیار ہوں بس آپ کی اجازت ہونی چاہیے۔"

لبوں پہ مسکراہٹ دبائے وہ اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"آپ۔۔۔۔ آپ چپ کر جائیں آپ کو شرم بھی نہیں آتی میں جا رہی ہوں جب باپ بیٹی کے چونچلے ختم ہو جائیں تو آجایئے گا۔"

"اچھا بات تو سنتی جایئے بیگم ابھی تو ہم نے کچھ کہا ہی نہیں آپ کیوں بلش ہو رہی ہیں۔"

عائشہ روم سے جا چکی تھی پیچھے حمزہ کے زوردار قہقہے نے اسکا تعاقب کیا۔

"باہر جا کر بولی کوئی زرا تمیز نہیں ان کو

ہر وقت ہری ہری سوجھ رہی ہوتی انکو کوئی بندے کو شرم ہوتی ہے اللہ پوچھے آپکو حمزہ۔"

"ارے کیا پوچھنا ہے اللہ نے مجھ سے بھئی۔"

عائشہ فوراً ہڑبڑا کر پیچھے مڑی تو حمزہ پیچھے ہی کھڑا تھا۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔"

"بھئی میرا گھر ہے جو مرضی کروں جہاں مرضی جاؤں تم کیوں مجھے منع کر رہی ہو۔"وہ مصنوعی حیرت سے بولا۔

"آپ سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔"عائشہ افسوس سے سر ہلا کر بولی۔

"ہاں اسی لیے محترمہ اکیلے کھڑے ہو کر میری باتیں مجھ سے کرنے کے بجائے دیواروں سے کر رہی ہوتی ہیں۔" اب کی بار وہ شرارت سے بولا۔

"زروشہ کہاں ہے۔" وہ بات بدلتے ہوئے بولی۔

"وہ کھیل رہی ہے آپ زروشہ کو چھوڑیں میری اور اپنی بات کریں۔" حمزہ اسے بات بدلنے کی کوشش کرتے دیکھ کر دوبارہ واپس اسی ٹاپک پہ لایا۔

"شرم تو نہیں آتی ہو گی آپکو زروشہ آپکی بیٹی ہے۔ کوئی غیر نہیں اور بے چاری کو آپ اکیلے چھوڑ آئے ہیں۔" عائشہ اسکی رگ رگ سے واقف تھی جبھی مصنوعی غصے سے بولی۔

"ہاں میں سوچ رہا ہوں زروشہ کی تنہائی دور کرنے کے لیے کیوں نا اسکی بہن یا بھائی لے آئیں۔"

"حمزہ۔۔۔!

آپ۔۔۔۔ آپ بھاڑ میں جائیں میں جارہی ہوں۔" وہ چلائی۔

" کہاں بھاڑ میں ؟" حمزہ برجستگی سے بولا۔

" آپکا کیا کروں میں اچھا خاصا سنجیدہ سمجھا تھا آپکو اور آپ کیا نکلے۔" عائشہ کے بے چارگی سے کہنے پر وہ کھکھلا دیا۔

" یار عائشہ اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ٹھیک ٹھاک سنجیدہ انسان ہوں میں۔" وہ بے چارگی سے بولا۔

" ہاں وہ تو دکھ ہی رہا ہے۔" وہ طنزیہ انداز میں بولی۔

"اچھا چھوڑو بھی یار ادھر آؤ میرے پاس بیٹھو۔" حمزہ اسے بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ صوفے پہ بٹھاتے ہوئے بولا۔

عائشہ نے دھیرے سے حمزہ کے کندھے پر سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لی۔

حمزہ خفگی سے بولا

"محترمہ میں نے بیٹھنے کا کہا تھا سونے کا نہیں۔"

عائشہ دھیرے سے بولی "حمزہ جانتے ہیں جب جب آپ میرے ساتھ ہوتے ہیں میں دنیا بھولنے لگتی ہوں۔

مجھے لگتا ہے میں کسی مضبوط حصار میں ہوں عجیب سا سکون ملتا ہے۔ جانتے ہیں میں اکثر سوچتی ہوں اگر اس دن آپ یونیورسٹی نہ آتے تو ہم کیسے ایک ہو پاتے یا اگر بابا انکار کر دیتے تو۔

جانتے ہیں میں نے آپکو اللہ سے بہت دفعہ مانگا تھا لیکن اس دعا کے ساتھ کہ اے اللہ مجھے مکمل کر کے حمزہ سے ملوادے۔

لیکن میں بے وقوف تھی میری تکمیل تو آپ کے دم سے تھی بھلا آپ کے بغیر میں کیسے مکمل ہو سکتی تھی۔

آپ کو پا کر میں واقعی مکمل ہوگئی ہوں میری کل کائنات ہی آپ اور زروشہ ہیں۔

مجھے لگتا تھا میری محبت وقت کے ساتھ کم ہو جائے گی لیکن یقین جانیے یہ آئے روز کسی مرض کی طرح بڑتی ہی جارہی ہے۔

حمزہ مجھے کبھی تنہا مت چھوڑیے گا۔ میں آپ کے بغیر نہیں رہ پاؤں گی مر جاؤ گی۔

حمزہ جو دم سادھے اسکی بات سن رہا تھا اسکی بات پہ ایک دم اسکے منہ پر ہاتھ رکھ گیا۔

"عائشہ پلیز ایسی باتیں مت کرو تمھارے بغیر میرا ابھی کوئی وجود نہیں تم نے اسقدر مجھے اپنا عادی کر دیا ہے کہ تمھارے بغیر زندگی کچھ لگتی ہی نہیں۔ میری کائنات تمھارے دم سے ہے۔" عائشہ بنا پلک جھپکے اسے دیکھے گئی۔

" آئندہ ایسی بات مت کرنا۔ ہاں آج مجھے یہ اعتراف کرتے ہوئے کوئی ہچکچاہٹ نہیں حمزہ کا وجود عائشہ کے بغیر نامکمل ہے۔ تم میرے وجود کا حصہ ہو تمھارے بغیر میں بھی کچھ نہیں۔" عائشہ کو لگا گویا آج اسکی تمام ریاضتوں کا پھل اسے مل گیا ہو۔

اتنے خوبصورت اظہار پر عائشہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"لو یو حمزہ۔" عائشہ روتے ہوئے بولی۔

"لو یو ٹو حمزہ کی جان۔ آج کے بعد میں یہ آنسو نہ دیکھوں کتنا ظلم کرتی ہو نا ان بے چاری آنکھوں پر۔"

اسکی خفگی پر عائشہ مسکرا دی۔

اللہ نے کتنے خوبصورت انداز میں اسے نوازا تھا جتنا شکر کرتی کم تھا۔

اس دن عائشہ سے ملنے کے بعد حمزہ فوراً گھر گیا تھا اور جا کر نازیہ بیگم سے معافی مانگ کر انھیں ساری صورت حال سے آگاہ کر کے ساتھ لیے عائشہ کے گھر پہنچ گیا تھا۔

وہاں جا کر بھی کافی لمبا سین چلا معافی تلافی کے بعد بالآخر عظیم صاحب اور نصرت بیگم مان گئے تھے۔

اور جلد ہی شادی کی ڈیٹ فکس کر دی گئی تھی۔

ٹھیک تیرہ دن بعد عائشہ عظیم ولا سے رخصت ہو کر حمزہ کے گھر آ گئی تھی۔

شادی کے ایک سال بعد زروشہ کی شکل میں اللہ نے دونوں کو مکمل کر دیا تھا۔

وہ جتنا شکر کرتے اتنا کم تھا دونوں کی زندگی میں نشیب و فراز آئے تھے۔ لیکن بالآخر اللہ نے انکا خوبصورت اختتام لکھا تھا دونوں کو اپنی رحمت سے نوزا تھا۔

عائشہ نے صبر کا مظاہرہ کیا مشکل حالات کے باوجود نفس پر قابو رکھا وہ چاہتی تو کم راستے نہ تھے حمزہ تک پہنچنے کے مگر وہ غلط راستے پر نہیں گئی۔

کیونکہ وہ حلال رشتے کی بنیاد حرام پر نہیں رکھنا چاہتی تھی۔

اسکا باطن اسقدر خوبصورت تھا کہ اللہ نے اسکا ظاہر بھی پر کشش بنا دیا تھا۔

وہ اللہ جس کو جب چاہے نواز دیتا ہے۔

لیکن جو لوگ صبر سے اسکے راستے پر چلتے ہیں انکے لیے اسکے الگ ہی انداز ہوتے ہیں۔

سفر عائشہ کا بھی آسان نہیں تھا لیکن ہر مشکل کے بعد آسانی کا وعدہ بھی اللہ ہی کا ہے۔

عورت کی حیا وہ واحد چیز ہے جس کے بل پر وہ دنیا فتح کر سکتی ہے۔

حیادار عورت اپنے بندے کے ساتھ ساتھ اپنے رب کی بھی محبوب ہوتی ہے۔

اور اللہ اپنے محبوب بندوں کو نواز دیتا ہے جیسے اسنے عائشہ کو نوازا تھا۔

عائشہ نے اللہ کے لیے غلط راستہ نہیں اپنایا تھا تو اللہ نے بھی اسے صحیح راستے سے وہ سب دے دیا تھا جس کی اسے چاہ تھی۔

اور دنیا کی باتوں کا کیا ہے۔

اللہ نے اپنی جگہ سب کو مکمل بنایا ہے۔

دنیا کے سامنے آپ سونے کے بن کر بھی آ جائیں وہ تب بھی کوئی نہ کوئی نقص نکال ہی لیتی ہے۔

دراصل یہ آجکل ہمارے معاشرتی رویے بن چکے ہیں دوسروں کی دل آزاری تنقید ہماری ذات کا حصہ بن چکی ہے۔

لیکن بعض خامیاں ایسی ہوتی ہیں جن پر قابو پایا جا سکتا ہے جیسے عائشہ نے پایا۔

ختم شد